File F:\Graphic1.tif not found.

مسلم ہیں ہم، ہم سے وطن، ہم سے وطن کا بانکپن

● ....مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

ہم ہیں وطن کے پاسباں ، ملت کے ہیں ہم ترجماں
ہم ہیں چمن کے باغباں ، بادِ صبا عنبر فشاں
ہم دینِ حق کے کارواں ، علم و عمل کے کہکشاں
ہم نازشِ ہندوستاں ، ہم نازشِ ہندوستاں
مسلم ہیں ہم ، ہم سے وطن ، ہم سے وطن کا بانکپن ہم بوئے گلہائے چمن ، ہم مہر تاباں کی کرن

بے باک ہم ، خوددار ہم ، حق کے علمبردار ہم
کچلے ہوئے طبقوں کے ہیں ہمدرد ہم ، غم خوار ہم
کرتے ہیں ظلم و جور کے آتش کدے گلزار ہم
کرتے ہیں بے خوف و خطر ، حق بات کا اظہار ہم
مسلم ہیں ہم ، ہم سے وطن ، ہم سے وطن کا بانکپن ہم بوئے گلہائے چمن ، ہم مہر تاباں کی کرن

کمزور کے دمساز ہیں ، لاچار کے ہمراز ہیں
شاہین ہیں ، شہباز ہیں ، ہم مائلِ پرواز ہیں
ہم قوم کی آواز ہیں ، ملک و وطن کا ساز ہیں
ملت کا ہم اعزاز ہیں ، سرمایۂ صد ناز ہیں
مسلم ہیں ہم ، ہم سے وطن ، ہم سے وطن کا بانکپن ہم بوئے گلہائے چمن ، ہم مہر تاباں کی کرن

بخشا ہمیں اللہ نے سوزِ عرب ، سازِ عجم
لیتے ہیں نام اللہ کا ہم کو بہ کو ، ہم یم بہ یم
ہم سے ہے عظمت ملک کی ، ہم سے ہے ملت کا بھرم
ہم برگِ گل ، رنگِ چمن ، نورِ سحر ، ابرِ کرم
مسلم ہیں ہم ، ہم سے وطن ، ہم سے وطن کا بانکپن ہم بوئے گلہائے چمن ، ہم مہر تاباں کی کرن

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

اداریہ

قربانی کی اصل روح

● .... شمس الحق ندوی

قربانی کا لفظ جتنی بار ہماری زبان پر آتا ہے، اتنا شاید ہی کسی اور لفظ کو دہرایا جاتا ہو لیکن آج ہمارے اندر قربانی کی جتنی کمی ہے اتنی شاید کبھی رہی ہو، خود اسلام کے معنی بھی تو اپنا سب کچھ خدا کے تابع فرمان کر دینے کے ہیں، مگر ہم زندگی کے ہر شعبہ میں قربانی سے پہلوتہی کرتے ہیں کہ جب تک کوئی بھی کام ہماری منشا و مرضی کے مطابق نہ ہو، ہم اس میں شریک ہونے سے کتراتے ہیں، بلکہ بسا اوقات اس کی مخالفت اور مخالفت سے بڑھ کر اس کے ساتھ عناد کا معاملہ کرتے ہیں، چاہے ہمارے اس رویہ سے اسلام و مسلمانوں کو کتنا ہی زبردست نقصان پہنچ رہا ہو، دین وملت کے مفاد میں اپنی رائے سے تنازل بھی قربانی ہے، شعائر اسلام پر کاربند رہنا بھی قربانی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے لیے درپیش خطرات کے مقابلہ کی تگ و دو بھی قربانی ہے، اپنے فرض منصبی کی ادائیگی بھی قربانی ہے، ان تمام احکامات واصولوں کی پابندی بھی قربانی ہے جو قرآن وحدیث میں مسلمانوں کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

اب ہم ذرا اپنی قربانی پر غور کریں، اور اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک بکرے کی قربانی نے ہم کو تمام قربانیوں سے چھٹی دے دی ہو، اگر ہم اپنی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم قربانی کی اصل روح اور حقیقت سے بہت دور ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھروں اور خاندانوں سے لے کر جماعتوں اور مکاتب فکر اور اداروں اور انجمنوں تک میں انتشار بپا ہے، اور وہ اسلام جس کا ڈھانچہ سراسر ایثار و قربانی پر قائم ہوتا ہے، اس کا ایک ایک جوڑ ڈھیلا ہو رہا ہے۔

عیدالاضحیٰ میں جانور اس لیے نہیں ذبح کیے جاتے کہ خدا کی زمین خون سے لالہ زار ہو جائے، بلکہ یہ قربانی کسی بلند مقصد کے لیے کی جاتی ہے، اونچا مطمح نظر سامنے ہوتا ہے اور یہ پاکیزہ مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنے اندر جاری وساری کرنا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ نفس کو رذالت کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا ہے، تاکہ پاکیزہ قدریں ابھریں، دل میں فداکاری، اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو، علم و ہنر میں ضرب کلیمی کی شان پیدا ہو اور وہ کام جو مشکل ودشوار معلوم ہوتے ہیں، قربانی ان کو آسان کر دے، یہ ہے عیدالاضحیٰ میں جانوروں کی قربانی کی اصل روح، اسی لیے قربانی کرنے والا، جانور کی گردن پر چھری چلانے سے پہلے اپنے رب کے سامنے اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ ٹھیک خدا کی طرف کر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں مسلم اور فرماں بردار ہوں، خدایا! یہ تیرے ہی حضور پیش ہے اور تیرا ہی دیا ہوا ہے، اس کے بعد وہ بڑی عجیب کیفیت کے ساتھ جانور کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے کہتا ہے:

”بسم اللّٰہ، اللّٰہ أکبر، اللّٰھم تقبّلہ منی کما تقبّلت من خلیلك ابراھیم و حبیبك محمد علیھما الصلاۃ والسلام“ (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما، جس طرح تو نے اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی قبول فرمائی)۔

زندگی میں ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ خدا کی رضا اور دین وملت کے مفاد کے لیے اپنے جاہ ومنصب تک کی قربانی دینی پڑتی ہے اور سب سے مشکل قربانی اپنے جاہ وانا اور جماعتی وگروہی عصبیت ہی کی ہوتی ہے، جس کو قوم وملت کے مفاد عامہ کے لئے پیش کر دینا ہوتا ہے، اس سیاق میں ہم دیکھیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا حضرت خالدؓ بن ولید نے یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے

File F:\Front.tif not found.

مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے دی تھی اور وہ بھی ایک قربانی ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے (اسلامی مملکت اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لیے) اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی۔

آج امت مسلمہ جن خطرات وحوادث سے دوچار ہے، ان میں ان تینوں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے، کیا ہم اس کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ جانور کی گردن پر چھری چلاتے وقت قربانی کی اصل روح کو تازہ کر کے اپنی ہر ایک خواہش پر چھری چلا دیں جس کے پورا کرنے میں دین وملت کو نقصان پہنچتا ہو۔

بکرے کی قربانی کرنا تو آسان ہے، لیکن اپنی انا اور جذبات کی قربانی آسان نہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی جو حقیقت بیان کی ہے، ہم اس وقت اسی پر اکتفا کرتے ہیں:

”روحانی قربانی جسمانی قربانی کے مقابلہ میں یقیناً ذبح عظیم ہے، جسمانی قربانی کی تکلیف تو ایک لحہ کی بات ہے، مگر روحانی قربانی تو کسی امر حق کی خاطر ساری زندگی جیتے جی کی قربانی ہے، جس میں مر کر نہیں، بلکہ جی کر حق کی راہ میں ہر تکلیف اور مصیبت کو انگیز کرنا اور ہر وقت موت کے لیے آمادہ رہنا۔

حضرت اسماعیلؑ نے اس کی خاطر ملک شام کے سبزہ زار کو چھوڑا، وہاں کے عیش وآرام کو خیر باد کہا، عزیز واقارب کو ترک کیا، اور ایک لق ودق صحرا میں تنِ تنہا رہنا گوارا کیا، وہاں خدا کے نام کا ایک گھر بنایا، اور اس کو تنِ تنہا آنے جانے والے مسافروں اور سوداگری کے قافلوں کے لیے مرکزی گذرگاہ ٹھہرایا، اور اس طرح دین حق کی تبلیغ، اور خانۂ خدا کی پاسبانی کے لیے نہ صرف اپنی زندگی تک بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور تک جو ”رَبِّ وَابْعَثْ فِيهِمْ“ کی ابراہیمی دعا کی قبولیت کا زمانہ تھا، اپنی پوری نسل کو صحرائے بے آب وگیاہ میں گذار دینے کا حکم دیا، یہ تھی وہ عظیم الشان قربانی، جو حضرت اسماعیلؑ کی جسمانی قربانی کی تمثیل میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائی گئی، اور آج کے دن تک یہ روحانی قربانی ملت ابراہیمی کی حقیقت اور نسل اسماعیلی کی شریعت ہے، اور جانور کی جسمانی قربانی اس حقیقت کا مجاز ہے، اور اسلام میں جہاد اس مجاز کی حقیقت ہے۔

☆☆☆☆☆

رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء جناب عبد العلیم قدوائی کی وفات

مفسر قرآن حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے بھتیجے اور داماد جناب عبد العلیم قدوائی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کیمپس میں منگل ۱۵/ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۸/اگست ۲۰۱۷ء کو ۸۸/سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب عبد العلیم قدوائی مرحوم حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے سب سے چھوٹے اور چوتھے نمبر کے بھتیجے اور داماد تھے، مولانا دریابادیؒ کی چار صاحبزادیاں تھیں، اور چاروں بالترتیب ان کے بھتیجوں حکیم عبد القوی دریابادی، جناب حبیب احمد قدوائی، ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی اور جناب عبد العلیم قدوائی کو منسوب ہوئیں، اور اسی ترتیب سے ان سب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اخیر میں اس علمی وادبی خاندان کے سب سے بزرگ فرد عبد العلیم قدوائی مرحوم ہی رہ گئے تھے، اور اس طرح وہ قدوائی و دریابادی خاندان کے اب سرپرست تھے، جس کے افراد لکھنؤ، علی گڑھ، دہلی اور بھوپال میں مقیم ہیں، ان کی طبیعت ادھر چند مہینوں سے زیادہ ناساز ہوئی، دہلی میں زیر علاج رہے، لیکن مرض لاعلاج نوعیت کا بن گیا تھا، جگر بہت متاثر تھا، معالجین نے تیمارداروں کو گھر پر رکھ کر علاج کا مشورہ دیا، چنانچہ وہ اپنے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی ڈائرکٹر پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم قرآن علی گڑھ کے پاس علی گڑھ ہی میں مقیم تھے، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے فون کے ذریعہ دو دن پہلے عیادت بھی فرمائی تھی، اور ان کے صاحبزادگان مشہور انگریزی مترجم ومصنف ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی اور معروف انگریزی صحافی جناب عبد الرشید قدوائی سے گفتگو فرما کر تسلی بھی دی تھی، ابھی دو دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کے نواسے مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی کے ذریعہ یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔

ان کا اہم کارنامہ ہفتہ وار ”سچ“ کا توضیحی اشاریہ ہے، جو بعد میں ”صدق“ اور پھر ”صدق جدید“ کے نام سے نکلتا رہا، اور بھی علمی وادبی کارنامے ہیں، اہم سرکاری عہدوں پر بھی فائز رہے، ان کا اصل موضوع معاشیات تھا، اور قانون کی بھی تعلیم حاصل کی تھی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور مراتب بلند کرے، قارئین تفصیلی مضمون آئندہ شمارہ میں ملاحظہ کریں گے، ان شاء اللہ، حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا مکتوب گرامی اسی شمارہ کی زینت ہے جو ان کے صاحبزادہ ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی کے نام ہے۔

☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

انسانی مساوات

حجۃ الوداع میں انسانیت کے نام پیغام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

عربوں کے مرکزی شہر مکہ مسلمانوں کی زیر سرکردگی آجانے اور پڑوس کے قبائل ہوازن اور ثقیف کی کوشش کے بھی ناکام ہوجانے اور سارے عرب کی طرف سے اسلام کو غالب مان لینے کے بعد مسلمانوں کو کسی لڑائی کا خطرہ باقی نہ رہا اور یہ رکاوٹیں ختم ہوجانے پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کی بڑی تعداد کو مکہ میں جو سارے عرب کا دینی مرکز کی حیثیت مانا جاتا تھا، حج کے موقع پر اکٹھا کرنا مناسب سمجھا کہ فریضۂ حج بھی ادا کریں اور ایک جگہ جمع ہونے پر ان سے خطاب عام بھی ہوجائے۔

چنانچہ آپ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس حج کے موقع پر ایک لاکھ ۱۴ ہزار کی تعداد میں آپؐ کے ماننے والے جمع ہوئے اور حج ادا کیا، آپؐ کا یہ حج دعوت اسلامی کی تکمیل اور نظام اسلامی کے باقاعدہ قیام کا اعلان عام تھا، اور یہ آپؐ کی مدنی زندگی کا پہلا اور آخری حج تھا، اسی میں امت مسلمہ کے عمل کے لیے عمومی ہدایات دی گئیں اور دین کی تکمیل جو آپؐ سے قبل نہیں ہوئی تھی، اب اس کا بھی اعلان کردیا گیا، آپؐ نے حج کا جو خطبہ دیا اس میں آئندہ کے لیے ہدایات اور ضابطۂ اخلاق کا واضح اعلان اور انسانی خوبیوں کی حامل زندگی کا جامع اور مفصل تصور کے اصول ظاہر فرمادیے، اسی موقع پر قرآن مجید کی وہ آیات جس میں دین کی تکمیل کی اطلاع دی گئی، نازل ہوئیں:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً". [سورہ مائدہ:۳]

یعنی آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین (جس کو سابق انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک پہونچانے کا سلسلہ چلا آرہا تھا) مکمل کردیا، اور اپنی یہ نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو ہی بحیثیت دین کے پسند کیا۔

اس قرآنی اعلان میں تین بنیادی باتیں بتائی گئیں ایک تو یہ کہ انسانی زندگی کا اس کرۂ ارض پر آغاز ہونے کے وقت سے انسانوں کی اصلاح اور کردار سازی کی جو ہدایات نبیوں کے ذریعہ سے برابر آتی رہیں، اب وہ مکمل ہوگئیں اور دین کے احکام اس سطح تک پہنچادیئے گئے جس میں کسی بدلاؤ اور کمی وبیشی واضافہ وغیرہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی، اس کے لیے یہ بات فرمائی کہ: ''میں نے دین تمہارا مکمل کردیا'' دین کی وہ خوبیاں جو انسانی زندگی کے لئے ضروری اور موزوں اور جتنی ہونا چاہئیں وہ پوری کردی گئیں، دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نے دین واخلاق کی اپنی نعمت تم سب پر پوری کردی، وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی انسانیت اور فرد انسانی کے صلاح وفلاح کا جو درجۂ کمال ونمونۂ اعلی ہے وہ تمہارے لیے مہیا کردیا گیا، اور تم کو اس مقام بلند تک پہونچا دیا گیا، پھر اسی سے تعلق رکھنے والی بات کے طور پر یہ واضح کردیا گیا کہ مقام بلند کے لیے جس طریقہ کار وصفات حسنہ کی ضرورت ہے وہ طریقہ کار و صفات حسنہ دین اسلام کی صورت میں عطا کی گئی ہیں، اور اللہ رب العالمین کی رضامندی کا انحصار اب اسی پر ہے، اللہ تعالی اسی کے مطابق انسانی عمل کو منظور کرے گا، جس کو فرمایا گیا: "وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً" کہ دین اسلام ہی میرے لیے پسندیدہ اور قابل قبول ہے، اس طریقہ سے آپ کی رسالت کو اور دین کے پیغام کو اس زمین پر انسانی آبادی کے قائم رہنے تک کے لیے طے کردیا گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس موقع سے انسان کے اعلی انسانی اقدار اور عدل و مساوات اور انسانی جان کی سلامتی اور انصاف کی اہم ضروری ہدایات عنایت فرمائیں، اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ ان کو یاد رہے، دل ودماغ میں محفوظ کرلیں اور جو موجود نہیں ہیں، موجود لوگ ان کو یہ ہدایات پہونچائیں، کیونکہ بعض وقت براہ راست سننے والے سے زیادہ بالواسطہ سننے والا بات کو زیادہ اہمیت کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔

آپؐ کا آخری حج

ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی ایک حج کیا، اور یہی آپ کا اول اور آخری حج یعنی اپنی رسالت کے کام کی تکمیل پر اور امت سے آپ کی رخصتی کی ملاقات تھی، اس سے قبل حج کی فرضیت بھی نہیں ہوئی تھی، یہ فرضیت آپ کی وفات سے ایک سال قبل یعنی سن ۹ یا ۱۰ ہجری میں ہوئی، یہ حج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات اور دینی ارشادات کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے، اسلام کو غالب کرنے کی کوششوں

File F:\Front.tif not found.

کی کامیابی اور اسلامی پیغام کی تکمیل کے اعلان اور امت اسلامیہ کو تا قیامت ہدایات دینے کا یہ بہترین موقع تھا، جس میں مسلمانوں کا غیر معمولی اجتماع تھا، چنانچہ جب یہ موقع آیا جو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور امت اسلامیہ کے ابدی رہبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری سال تھا، اس میں آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو تا قیامت عمل کرنے کی واضح تاکید کی اور اسی کے ساتھ تبلیغ حق کی ذمہ داری بھی سپرد کی، آپ کے اس حج میں عبادت حج کی ادائیگی کے لئے صحیح نمونہ بھی دکھایا گیا۔

ہدایات اور وصیتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایات اس حج کے دوران اپنے خطبوں میں دیں ان میں ایک بڑی ہدایت اور وصیت یہ کی کہ انسانی برادری میں مساوات رہے، آپؐ نے انسانی برادری میں ایک کو دوسرے کے مساوی قرار دینے کا اعلان فرمایا اور یہ فرمایا کسی ایک کی برتری دوسرے کے مقابلہ میں اسی قدر ہوگی جتنا کہ وہ اپنے پروردگار یعنی اللہ تعالی کے حکموں کا زیادہ پاس ولحاظ رکھنے والا ہو، اس کے احکامات میں احتیاط سے زندگی بسر کرنے والا ہو، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ اور کون سا دن ہے؟ اور تم کس شہر میں ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ دن بڑا باحرمت، اور یہ مہینہ بڑا قابل احترام ہے، اور یہ شہر بڑے احترام والا ہے، تو آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کی جان اور مال اور عزت دوسرے کے لیے اسی طرح قیامت تک قابل حرمت واحترام والی ہیں جس طرح آج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر، پھر فرمایا، سنو مجھ سے وہ باتیں سنو جن سے تم صحیح زندگی گذار سکو گے، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، کسی مسلمان شخص کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں، ہاں اگر وہ راضی ہو (تو کوئی حرج نہیں) ہر ایک کی جان، ہر ایک کا مال، جو جاہلیت کے عہد میں جائز سمجھا جارہا تھا اب قیامت تک اس کو جائز سمجھا جانا ختم کیا جارہا ہے، سب سے پہلا خون جو ختم کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون تھا، اس نے بنی لیث میں پرورش پائی تھی، اور ہذیل نے اس کو قتل کردیا تھا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور سب سے پہلا سود جو ختم کیا جاتا ہے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، ہاں سودی معاملات میں تمہارا جو راس المال ہو وہ محفوظ ہے، اس سلسلہ میں نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے، اور دیکھو! میرے بعد میرے حکموں کے خلاف نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اور دیکھو! اب شیطان بھی مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کرنے لگیں، لیکن وہ تمہارے درمیان رخنہ اندازی کرتا رہے گا، اور دیکھو! عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے زیر اثر ہیں، وہ اپنے معاملہ میں اختیار نہیں رکھتیں، لہٰذا ان کا تم پر حق ہے، اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے علاوہ تمہارے بستر پر کسی کو آنے نہ دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر تم ان کی نافرمانی (غلط رویہ) سے خطرہ محسوس کرو تو انھیں نصیحت کرو، اور ان کی خوابگاہوں کو الگ کردو، اور ہلکے طریقہ سے مارو اور دیکھو! انھیں کھانے کپڑے کا حق پوری طرح حاصل ہے، تم نے انھیں خدا کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے، اور ان سے جنسی تعلق کو اللہ کے نام سے اپنے لیے جائز کیا ہے، اور دیکھو! کسی کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ صاحبِ امانت کو واپس کرے، اور دیکھو میں اپنے بعد تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑے رکھا تو تم گمراہ نہ ہوگے وہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے کتاب اللہ، یعنی قرآنی دستور العمل، اور دیکھو تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہونچا دیا، اپنا فرض ادا کردیا، اس جواب پر آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا ’’اے خدا تو گواہ رہنا‘‘۔ اتنا فرمانے کے بعد آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا کہ کیا میں نے پیغام پہنچادیا کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ پھر فرمایا جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہونچادیں کیونکہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔

یہ وہ اعلان تھا جو انسانی تاریخ میں سب سے پہلے آپؐ کی طرف سے کیا گیا، اور جو اسلام کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول قرار پایا، چنانچہ اسی کی بنا پر آپس کے اجتماع کے موقع پر چاہے عبادت کا ہو یا عام زندگی کا، کالا، گورا اور غلام آقا، حاکم محکوم ایک ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

مساوات واحترام انسانی کا یہ پہلا اعلان تھا اس سے ملتا جلتا اعلان بھی اس کے ۱۳سو سال بعد

File F:\Front.tif not found.

دنیا کی موجودہ متحدہ کونسل یعنی متحدہ اقوام نے اختیار کیا، اسلامی اعلان سے قبل رنگ ونسل کی بنیاد پر جوظلم غیرمسلمان قوموں میں جاری تھا، اس کو روکنے کی یہ کوشش کی گئی جس پر اسلامی سوسائٹی چودہ سوسال سے خاصی حدتک عمل کررہی ہے۔

دوسرا اہم ترین اعلان آپ ؐ نے سود کو ناجائز قرار دینے کا فرمایا کہ جس کو دولت مند شخصیات نے بلامحنت حاصل ہونے والی منفعت کا ذریعہ بنارکھا تھا، اور اس کے ذریعہ غریبوں کی غریبی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی خاطر دنیا میں بڑے ظلم وزیادتی کا ذریعہ بنارکھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا سلسلہ ختم فرمایا اور اس کی پہل اپنے محبت کرنے والے چچا حضرت عباس کے سودی منافع کو یک لخت بند کرنے سے کی۔

تیسرا اعلان یہ کیا کہ انسانوں کے رنگ ونسل کے فرق کی بنا پر جوظلم اور تفریق چل رہی تھی اس کو ختم کیا اور اس سلسلہ میں خود اپنے خاندان قریش کو عربوں میں قبائلی سطح پر جو برتری حاصل تھی اس کی بھی پرواہ نہیں کی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی گزاریں اور آپس میں ہمدردی اور تعاون کا ربط رکھیں، کوئی کسی کی جان کو پامال اور بے آبرو نہ کرے، اس کو اسی طرح ممنوع فرمایا جس طرح حج کے موقع پر متعدد چیزیں ممنوع کی گئیں، کہ اس کی حیثیت بھی عبادت جیسی ہے کہ جس میں کوتاہی کرنے سے خدا کی طرف سے سزا ملتی ہے، اس طریقہ سے اسلام کے دائمی دستور میں انسانی مساوات اور عقیدہ ودین میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بنیادی حقوق میں بھی ایک دوسرے کے حق کو تسلیم کرنے اور ادا کرنے کا ذمہ دار بنایا، اور اس کے لیے کعبہ کے اردگرد جمع ہوکر رنگ ونسل و زبان کے فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے آپسی مساوات و وحدت کا اظہار کر کے اسی طریقہ کو زندہ اور پائدار کیا جس کی آواز ان کے جد اعلی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے لگائی تھی: ”وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً“ اور یہ اعلان فرمایا کہ عرب ہو یا غیر عرب، سفید فام ہو یا سرخ فام، یا سیاہ فام، سب برابر ہیں، اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو اس کی نیک صفات کی بنا پر ہی ہوگی۔

منیٰ و عرفات میں پوری انسانیت کے نام پیغام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار عالم اور اللہ رب العالمین کی طرف سے پوری انسانیت کو صلاح وفلاح کے راستے پر لانے کے لیے نبی بنائے گئے، جن وانس کا جو بھی فرد جس جگہ اور جہاں کہیں تا قیامت ہوگا وہ آپ ؐ کی نبوت کی رہنمائی کا محتاج ہے، اس کے لیے کامیابی اور سرخروئی کا راستہ وسامان اسی میں ہے کہ وہ آپ ؐ کی نبوی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر زندگی بسر کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تین ماہ پہلے عرفات کے میدان میں اور منیٰ کے قیام میں پوری انسانیت کو جینے کا طریقہ سکھلایا، ایسا طریقہ جس میں کوئی انسان دوسرے انسان کے لیے کانٹا نہ بنے، خون خرابے سے دور رہا جائے، بالادستی اسلامی تعلیمات کی رہے، عرفات کے خطبہ کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

”اس میں آپ ؐ نے اسلامی بنیادوں کو واضح کیا، اور شرک وجہالت کی بنیادیں منہدم کردیں، اس میں ان تمام حرام چیزوں کی آپ ؐ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب واقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں ناحق خون کرنا، مال غصب کرنا، اور آبروریزی کرنا، جاہلیت کی تمام باتوں اور مروّجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کردیا، جاہلیت کا سود کل کا کل آپ ؐ نے ختم فرمادیا اور اس کو بالکل باطل قرار دیا، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی اور ان کے جو حقوق ہیں نیز ان کے ذمہ جو حقوق ہیں ان کی توضیح کی، اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق خوراک اور لباس نان نفقہ ان کا حق ہے، امت کو آپ ؐ نے کتاب اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کی وصیت کی اور ارشاد فرمایا کہ جب تک وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے، گمراہ نہ ہوں گے“۔

”منیٰ کے خطبہ میں آپ ؐ نے یوم النحر کی حرمت سے آگاہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر مکہ کی افضلیت وبرتری کا ذکر کیا، اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت وفرمانبرداری ان پر واجب قرار دی۔

آپ ؐ نے یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا جو ایک دوسرے کی گردن مارتے رہتے ہیں، آپ ؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہنچادی جائیں، آپ ؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز پڑھو، ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھو، اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل

File F:\Front.tif not found.

ہوجاؤ گے، اس وقت آپؐ نے لوگوں کے سامنے الوداعیہ کلمات بھی کہے اور اسی وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان انسانیت نواز باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی سکھایا کہ سب انسان خدائے واحد کے بندے ہیں، اور خدا ان سب کا رب اور پالن ہار ہے، اس کو راضی کرکے ہی زندگی کا چین وسکون ملتا ہے، اس لیے اس کے بندوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ضرورت اور تکلیف میں اسی کو پکاریں، اور صرف اسی سے التجا کریں، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر دعا کرکے دعا کا طریقہ بھی دکھایا۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کعبہ کی مرکزیت اور وہاں عمل میں آنے والی عالمی انسانی وحدت اور اس کے لامحدود پیغام امن وسلامتی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''خانہ کعبہ اس دنیا میں عرش الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نقطۂ قدم ہے، یہ وہ آئینہ ہے جس میں اس کی رحمت وغفاری کی صفتیں اپنا عکس ڈال کر تمام کرۂ ارض کو اپنی شعاعوں سے منور کرتی ہیں، یہ وہ منبع ہے جہاں سے حق پرستی کا چشمہ اُبلا، اور اسی نے تمام دنیا کو سیراب کیا، یہ روحانی علم ومعرفت کا وہ مطلع ہے جن کی کرنوں نے زمین کے ذرہ ذرہ کو درخشاں کیا، اور یہ وہ جغرافی شیرازہ ہے جس میں ملت کے وہ تمام افراد بندھے ہوئے ہیں جو مختلف ملکوں اور اقلیموں میں بستے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں، مختلف لباس پہنتے ہیں، مختلف تمدنوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر وہ سب کے سب باوجود ان فطری اختلافات اور طبعی امتیازات کے ایک ہی خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں، اور ایک ہی قبلہ کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں، اور ایک ہی مقام کو ام القریٰ مان کر وطنیت، قومیت، تمدن ومعاشرت، رنگ وروپ اور دوسرے تمام امتیازات کو مٹا کر ایک ہی وطن ایک ہی قومیت (آل ابراہیم) ایک ہی تمدن ومعاشرت (ملت ابراہیمی) اور ایک ہی زبان (عربی) میں متحد ہوجاتے ہیں، اور یہ وہ برادری ہے جس میں دنیا کی تمام قومیں اور مختلف ملکوں کے بسنے والے جو وطنیت اور قومیت کے لفظوں میں گرفتار ہیں ایک لمحہ اور ایک آن میں داخل ہوتے ہیں، جس سے انسانوں کی بنائی ہوئی تمام زنجیریں اور قیدیں اور بیڑیاں کٹ جاتی ہیں، اور تھوڑے دن کے لیے عرصۂ حج میں تمام قومیں ایک ملک میں، ایک لباس احرام میں، ایک وضع میں دوش بدوش ایک قوم بلکہ ایک خانوادہ کی برادری بن کر کھڑی ہوتی ہیں، اور ایک ہی بولی میں خدا سے باتیں کرتی ہیں، یہی وحدت کا وہ رنگ ہے جو ان تمام مادّی امتیازات کو مٹا دیتا ہے جو انسانوں میں جنگ وجدل اور فتنہ وفساد کے اسباب ہیں، اس لیے یہ حرم ربانی نہ صرف اسی معنی میں امن کا گھر ہے، کہ یہاں ہر قسم کی خونریزی اور ظلم وستم ناروا ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی امن کا گھر ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کی ایک برادری قائم کرکے ان کے تمام ظاہری امتیازات کو جو دنیا کی بدامنی کا سبب ہیں، مٹا دیتا ہے۔

لوگ آج یہ خواب دیکھتے ہیں کہ قومیت و وطنیت کی تنگنائیوں سے نکل کر وہ انسانی برادری کے وسعت آباد میں داخل ہوں مگر ملت ابراہیمی کی ابتدائی دعوت اور ملت محمدی کی تجدیدی پکار نے سینکڑوں، ہزاروں برس پہلے اس خواب کو دیکھا اور دنیا کے سامنے اس کی تعبیر پیش کی، لوگ آج تمام دنیا کے لیے ایک واحد زبان (اسپرنٹو) کی ایجاد وکوشش میں مصروف ہیں، مگر خانۂ کعبہ کی مرکزیت کے فیصلہ نے آل ابراہیم کے لیے مدت دراز سے اس مشکل کو حل کر دیا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس حج میں جو دعائیں کیں وہ بہت مؤثر اور دل کی گہرائیوں سے نکلیں، وہ ایک طرف ادب وبلاغت کا شاہکار ہیں دوسری طرف ان سے ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کی کیفیت پوری طرح دوسروں پر عیاں ہوجاتی ہے، وہ باوجود اپنے پروردگار کے منتخب ومحبوب بندہ اور اس کے عظیم المرتبت پیغامبر ہونے کے اپنے کو کس قدر حقیر اور ناتواں، بیکس اور محتاج سمجھتے ہیں اور مشکل کشا وحاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی جان کر اس پر کیسا یقین کامل وغیر متزلزل اعتماد رکھتے ہیں۔

خاص طور پر وقوف عرفہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعائیں فرمائیں وہ بڑی اثر انگیز ہیں، وہ جمعہ کا دن تھا، اول وقت نماز جمعہ ادا کی اور اس سے عصر کی نماز بھی ملائی، اس طرح آپؐ عرفات میں ظہر وعصر کی نمازیں ملا کر پڑھنا سنت فرمایا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی گھنٹے مسلسل مصروف بہ دعا رہے، یہ سلسلہ غروب آفتاب یعنی مغرب تک دعاء ومناجات، تضرع وابتہال اور عاجزی، بے بسی، درماندگی وبے چارگی کے اظہار میں منہمک رہے، ہاتھ اٹھائے اپنے رب، رب العالمین سے اس طرح مانگ رہے تھے جیسے بھکاری مانگتا ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

ملک وملت

یہ ملک ہمارا ہے اور ہم اسی کے لیے ہیں!

ہجرت کرنے والوں کو روکنے کے لیے جامع مسجد دہلی میں تاریخی خطاب

مولانا ابوالکلام آزادؒ

عزیزان گرامی! آپ جانتے ہیں کہ وہ کون سی زنجیر ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے، میرے لیے شاہ جہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں، میں نے اس زمانہ میں بھی کہ اس پر لیل و نہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی تھیں تمہیں خطاب کیا تھا، جب تمہارے چہروں پر اضمحلال کے بجائے اطمینان تھا اور تمہارے دلوں میں شک کے بجائے اعتماد، آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں، تمہیں یاد ہے؟ میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری زبان کاٹ لی، میں نے قلم اٹھایا اور تم نے میرے ہاتھ قلم کردیے، میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دیے، میں نے کروٹ لینا چاہی تو تم نے میری کمر توڑ دی، حتیٰ کہ پچھلے سات سال کی تلخ نوا سیاست جو تمہیں آج داغ جدائی دے گئی ہے، اس کے عہد شباب میں بھی میں نے تمہیں ہر خطرے کی شاہراہ پر جھنجھوڑا، لیکن تم نے میری صدا سے نہ صرف اعراض کیا، بلکہ غفلت و انکار کی ساری سنتیں تازہ کردیں، نتیجہ معلوم ہے کہ آج انہیں خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے جن کا اندیشہ تمہیں صراط مستقیم سے دور لے گیا تھا۔

میرے بھائی! میں نے ہمیشہ سیاست کو ذاتیات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے اور کبھی اس پر خار وادی میں قدم نہیں رکھا، یہی وجہ ہے کہ میری بہت سے باتیں کنایوں کا پہلو لیے ہوتی ہیں، لیکن مجھے آج جو کہنا ہے میں اسے بے روک ہوکر کہنا چاہتا ہوں، متحدہ ہندوستان کا بٹوارہ بنیادی طور پر غلط تھا، مذہبی اختلافات کو جس ڈھب سے ہوا دی گئی اس کا لازمی نتیجہ یہی آثار و مظاہر تھے، جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور بدقسمتی سے بعض مقامات پر ابھی تک دیکھ رہے ہیں۔

اب ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل چکا ہے، مسلم لیگ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، اب یہ ہمارے اپنے دماغوں پر منحصر ہے کہ ہم کسی اچھے انداز فکر میں سوچ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اس خیال میں، میں نے نومبر کے دوسرے ہفتہ میں ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کو دہلی بلانے کا قصد کیا ہے، دعوت نامے بھیج دیے گئے ہیں، خوف و ہراس کا یہ موسم عارضی ہے، میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کرسکتا۔

میں نے ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا شکار چھوڑ دو، شک سے ہاتھ اٹھالو اور بے عملی کو ترک کردو، یہ تین دھار کا انوکھا خنجر لوہے کی اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمہارے نوجوانوں کی زبانی سنی۔

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر غور کرو، تمہیں محسوس ہوگا یہ غلط ہے، اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو تمہارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں، آخر کہاں جارہے ہو اور کیوں جارہے ہو؟

یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کردیا ہے؟ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، حالانکہ دہلی تمہارے خون کی سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو، جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہارا جوش و خروش بیجا تھا، اسی طرح آج تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بیجا ہے، مسلمان اور بزدلی یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔

سچے مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلاسکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے، چند انسانی چہروں کے غائب از نظر ہوجانے سے ڈرو نہیں، انہوں نے تمہیں جانے کے لیے ہی اکٹھا کیا تھا، آج انہوں نے تمہارے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے تو یہ تعجب کی بات نہیں، یہ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ ہی رخصت نہیں ہوگئے، اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہے تو ان کو اپنے اس خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک امی کی معرفت فرمایا تھا: ”جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو ان کے لیے نہ کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم“۔

ہوائیں گزر جاتی ہیں، یہ صرصر سہی، لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں، ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلا کا یہ

File F:\Front.tif not found.

موسم گزرنے والا ہے، یوں بدل جاؤ جیسے تم پہلے کبھی اس حالت میں نہ تھے۔

میں کلام میں تکرار کا عادی نہیں، لیکن مجھے تمہاری تغافل کیشی کے پیش نظر بار بار کہنا پڑتا ہے کہ تیسری طاقت اپنے گھمنڈ کا پشتارہ اٹھا کر رخصت ہوچکی ہے، جو ہونا تھا وہ ہوکر رہا ہے، سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑ چکی ہے اور اب نیا سانچہ ڈھل رہا ہے، اگر اب بھی تمہارے دلوں کا معاملہ بدلا نہیں اور دماغوں کی چبھن ختم نہیں ہوئی تو پھر حالت دوسری ہے، لیکن اگر واقعی تمہارے اندر سچی تبدیلی کی خواہش پیدا ہوگئی ہے تو پھر اس طرح بدلو جس طرح تاریخ نے اپنے تئیں بدل لیا ہے۔

آج بھی کہ ہم ایک دور انقلاب کو پورا کر چکے ہیں، ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں اور انہیں صفحوں میں زیب عنوان بن سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لیے تیار بھی ہیں۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ اب تیار ہوجاؤ، ستارے ٹوٹ گئے، لیکن سورج تو چمک رہا ہے، اس سے کرنیں مانگ لو اور اندھیری راہوں میں بچھادو جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔

میں تمہیں یہ نہ کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدرسہ سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو، اور کاسہ لیسی کی وہی زندگی اختیار کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے، میں کہتا ہوں جو اجلے نقش ونگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آرہے ہیں، وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا، انہیں بھلاؤ نہیں، انہیں چھوڑو نہیں، ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لیے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت نہیں بھگا سکتی، آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے، ہم اسی کے لیے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے، آج زلزلوں سے ڈرتے ہو، کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے، آج اندھیرے سے کانپتے ہو، کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا وجود ایک اجالا تھا، یہ بادلوں کے پانی کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے خدشے سے اپنے پائچے چڑھا لیئے ہیں، وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے، پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا، بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرائے، بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا، صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا، آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے، یہ ایمان کی جاں کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تار پیچ رہے ہیں اور خدا سے اس درجہ غافل ہوگئے کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء جناب عبدالعلیم قدوائی کی وفات پر

حضرت ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تعزیتی مکتوب

محترم ومکرم جناب ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

أعظم الله أجركم وغفر الله لوالدكم، فإنا لله وانا اليه راجعون

آج مولوی نعیم الرحمٰن صاحب کے فون سے یہ معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے والد ماجد اور ہم لوگوں کے کرم فرما اور محبت کرنے والے جناب عبدالعلیم قدوائی صاحب نہیں رہے، دو ہی دن پہلے آپ کو فون کرکے خیریت معلوم کی تھی، اور ہم توقع رکھتے تھے کہ ان کی سرپرستی ابھی قائم رہے گی، اور ان کے تعاون اور فکر ومشورہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل رہے گا، وہ ہمارے ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے عرصہ سے رکن تھے، اور ندوۃ العلماء کو آپ کے خاندان کی نمائندگی آپ کے نانا مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور حکیم عبدالقوی صاحب اور آپ کے والد مرحوم کے ذریعہ قائم رہی، وہ ندوۃ العلماء کے لیے تقویت کا ذریعہ بنی۔

سبھی افراد خاندان خصوصاً اپنے بھائی جناب عبدالرشید قدوائی کو سلام وتعزیت پیش فرمادیں۔

ہم مرحوم کے لیے مغفرت ورفع درجات اور آپ سب پسماندگان وافراد خاندان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

والسلام

مخلص

محمد رابع حسنی ندوی

منگل، ۱۵ ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ

۸/اگست ۲۰۱۷ء

براهیمی نظر

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

● ....مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام دنیا میں اس وقت آئے جب معصیت کا بازار ہر طرف گرم تھا، گھر سے لے کر باہر تک ساری دنیا صرف ایک کام میں مشغول تھی، اور وہ تھا بت سازی اور بت پرستی کا کاروبار، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے ماہر بت تراش اور اپنے زمانے کے فنکار بھی تھے، پورا ماحول اسی بت سازی اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا، انسان کی معراج ہی یہ تھی کہ کم از کم اگر وہ بت ساز نہیں ہے تو بت پرست ضرور ہو، اس وبا نے تمام انسانوں کو بری طرح گھیر رکھا تھا، اور ہر شخص اپنے حقیقی ماحول سے دور بہت دور ایک ایسی خاردار وادی میں بھٹک رہا تھا جہاں بجز معدہ و مادہ کے کسی اور بات کا گذر نہ تھا، اور لوگ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے آشنا بھی نہیں تھے۔

حرص وہوس سے جکڑے ہوئے اسی ماحول میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی، انہوں نے اپنی حقیقت آشنا نگاہوں سے اس گھٹتے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنی ساری صلاحیتوں کو پتھر اور لکڑی پر صرف کر رہا تھا، انہوں نے ایک بے جان اور بے حس وحرکت بت کے سامنے لوگوں کو اپنی پیشانیاں ٹکاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس محدود اور مقید ذہن کو دیکھا جو ایک تنگ دائرے کے اردگرد گھوم رہا تھا، اور جس کا مطمح نظر صرف معدہ تھا، اور مادہ پرستی کی ایک گھناؤنی شکل جس کا مرکز توجہ والتفات تھی۔

یہ ساری باتیں انسان کے فطری وظیفہ کے بالکل خلاف تھیں اور دوسرے الفاظ میں انسانی فطرت سے جنگ کے مرادف تھیں، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خداداد صلاحیت اور اپنی فطری قوت سے ان تمام مادی طاقتوں کو چیلنج کیا، یا انہوں نے بت پرستی اور بت سازی کی مخالفت کی، انہوں نے حرص وہوس کی اندھی تقلید پر احتجاج کیا، اور انہوں نے اس غیر حقیقی ماحول کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اپنے باپ آزر کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کی فہمائش کی، اور قرآن مجید کی زبان میں ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف کہا:

”وَإِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئاً، يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً، يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيّاً، يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً“.

[مریم:۴۲/۴۵]

(جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا) کہا کہ اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، تو تم میرے کہنے پر چلو، تم کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو، بیشک شیطان رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے، اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے، پھر تم (عذاب) میں شیطان کے ساتھ ہو جاؤ)۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور ان کا اعلان حق آزر کی بت ساز طبیعت کو چیلنج نہ کر سکا، اور وہ اس غیر حقیقی ماحول کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی بات سننے اور ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوا، اور اس نے صاف صاف کہہ دیا:

”قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ، لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيّاً“. [سورۂ مریم:۴۶]

(باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو، اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو پتھروں سے سنگسار کر دونگا اور ہمیشہ کے لیے مجھ سے برکنار رہو)۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرح کی دھمکی اور خطرے سے بے پروا اپنے کام میں مشغول رہے اور فطرت کے اصول کے سامنے انہوں نے کسی ایسے تصور کو ماننے یا اس کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا جو انسان کو انسان ہی کے آگے نہیں بلکہ پتھروں اور بے حس وحرکت مجسموں کے سامنے جبین نیاز جھکانے پر آمادہ کرے، وہ اس مصنوعی اور بے جان ماحول میں ایک اجنبی تھے، لیکن ان کے ایمان کی طاقت نے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی اور پوری آبادی کے خلاف ان کی آواز اس وقت

File F:\Front.tif not found.

اٹھی جبکہ ہر طرف سے خطرات ان کو گھیرے ہوئے تھے، اپنے اور پرائے ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر خطرہ کو دعوت دی اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوئے، آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں اپنی جان عزیز کو فنا کردینے میں انہوں نے ذرا بھی تأمل نہیں کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ مخالفین پسپا ہوگئے، دشمن شکست کھاگئے اور آگ کے دہکتے ہوئے شعلے گل وگلزار بن گئے، یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی وہ لازوال اور غیر فانی طاقت تھی جس کے سامنے دنیا کی ہر بڑی طاقت شکست خوردہ تھی اور جس نے اپنے زمانے کے جابر اور صاحب سطوت بادشاہ کے سامنے اس شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس آزری ماحول کو جنم دینے اور اس غیر حقیقی معاشرہ کو برپا کرنے میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا وہ اسباب ووسائل کے پیدا کرنے والے سے قطع نظر کرکے اسباب ووسائل پر مکمل اعتماد تھا، اسباب ہی معبود وکارساز سمجھے جانے لگے تھے اور وسائل ہی پر زندگی کی ساری عمارت قائم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کو متنبہ کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اسباب وعلل کی بے بسی کا راز افشا کرنا چاہا اور یہ بتایا کہ ان وسائل کے بغیر بھی انسان کس طرح بلند سے بلند مرتبہ پر پہونچ سکتا ہے اور وہ کس طرح بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں یہ پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر موقع پر اس کا اظہار ہوتا ہے، خواہ وہ آتش نمرود ہو یا وادیٔ غیر ذی زرع کے تپتے ہوئے ریگستان، بے یارومددگار بیوی کی بے تابی اور شدت انتظار ہو یا شیر خوار بچے کی پیاس کی بے چینی ہو، ظالم وجابر بادشاہوں کی نظر حرص ہو یا پوری قوم اور برادری کی شدت عداوت کا عالم ہو، آپ جدھر بھی نظر ڈالئے وسائل و اسباب کا فقدان اور بے یاری وبے بسی، عجز وتہی دستی ہر جگہ نمایاں اور صاف نظر آئے گی، لیکن اس کے باوجود ہر موڑ پر کامیابی اور سخت سے سخت آزمائش میں ایک غیبی مدد اس طرح ساتھ ساتھ دکھائی دے گی کہ اسباب ووسائل کی اس دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ماحول یا ایک قوم اور معاشرہ کے باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس زمانے کے باغی تھے جو اپنا حقیقی راستہ بدل کر وسائل کی راہ پر گامزن تھا اور اسی کو اپنی معراج اور حقیقی کامیابی کا راستہ سمجھ رہا تھا، انہوں نے آکر اعلان کیا کہ اے اہل زمانہ! تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہاری خودی اور تمہارے مرتبہ کے کسی طرح شایان شان نہیں ہے، تم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بت سازی وبت پرستی میں مشغول ہو، تم انسان ہوکر ان مجسموں کے سامنے جھکتے ہو جو تم کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے، بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ہی محتاج رہتے ہیں، ان پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو اس کو اڑانے کی بھی طاقت جس معبود کے اندر نہ ہو وہ بلاشبہ باطل وناحق ہے، اور اس سے لو لگانا، اس کے سامنے جبین نیاز جھکانا تمہاری سخت توہین ہے، اور تمہاری جبین امتیاز پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے جن خودساختہ معبودوں اور خانہ ساز اصولوں کو توڑا تھا، آج دنیا پھر انہیں معبودوں اور انہیں اصولوں کی پیروی کررہی ہے، تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا، اور آزر کی صنعت کو آج پھر فروغ حاصل ہوا ہے، وسائل واسباب کے سامنے آج عجز وعبادت کا سر خم ہورہا ہے، کارساز حقیقی سے بے تعلق اور فنا ہوجانے والے اسباب پر کامل توکل اور بھروسہ، آج کی دنیا کا اصول بن چکا ہے۔

یہ آزری فتنہ جب بھی دنیا میں فروغ پائے گا اور وہ محدود وتنگ ماحول جہاں بھی قائم ہوگا وہی لعنتیں اس کے ساتھ آئیں گی، معیار بدل جائے گا، ذہنی توازن متغیر ہوجائے گا، گناہوں، لذتوں اور شہوات نفس کو اخلاقی قدروں کا درجہ دے دیا جائے گا، ہر بے اصولی اور فطرت سے بغاوت کو فن اور صنعت کا لباس پہنا دیا جائے گا، اور انسان نہ صرف انسان کے آگے جھکنے لگے گا، بلکہ وہ گناہوں کی عبادت، نفس کی پرستش، رذالت وکمینگی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے امکانات کو صرف کرنے کی پیہم کوشش میں لگ جائے گا، اور انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آئے گی۔

فتنہ آزری آج سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوا تھا، لیکن آج پھر وہ تازہ دم ہے اور ساری دنیا کو اپنے تیز رو سیلاب کی زد میں لے چکا ہے، اگر پہلے ایک آزر تھا تو آج ہزاروں لاکھوں آزر پیدا ہوچکے ہیں، آج کے آزروں کی اولاد مارکس واسٹالن، خروشچیف وبلگانن ہیں، اگر اس آزر نے سنگ سار کرنے کی دھمکی دی تھی تو آج کے آزر لاکھوں ابراہیمیوں کو گولی کا نشانہ بنا چکے ہیں اور دار کے تختوں پر لٹکا چکے ہیں، اور آزر کا طوفان اتنا

File F:\Front.tif not found.

بلا خیز نہیں تھا جتنا اس کے متبعین اور آج کے آزروں کا ہے۔

پورے ہجری سال میں سب سے زیادہ ابراہیمی یادگاروں کا جو زمانہ ہے وہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متعدد یادگاروں اور مختلف آزمائشوں کو ہم یاد کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں ہم بھی خدا کے حضور اپنی معمولی قربانی پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں، بلاشبہ ہماری قربانیاں، صفا ومروہ کے درمیان ہماری سعی اور اس گھر کا طواف جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا یہ سب کچھ بہت ضروری اور ان کو انجام دینے والا خوش قسمت اور باعث صد مبارکباد ہے اور ان سے انکار کرنیوالا قابل عتاب وملامت بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ محض رسمی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کر لینا اور ان کی یادگار میں شریک ہو لینا اور سال میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک جانور کی قربانی دیدینا کافی نہیں، اور نہ اس سے اس طوفان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے جس کا مقابلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں کیا۔

اس وقت دنیا مادیت کے سامنے اسی طرح سربسجود اور اسباب ووسائل کی پرستش میں اسی طرح مشغول ومنہمک ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی، بلکہ آج اس مادیت کا دھارا پہلے سے زیادہ تیز ہے، پہلے مٹی اور پتھر کے بت پوجے جاتے تھے، لیکن آج سونے چاندی کے بت، اور تہذیب وتمدن کے بت، اور قومیت ووطنیت کے مجسموں کی پرستش میں دنیا پوری طرح ڈوبی ہوئی ہے اور مختلف ناموں سے نفس کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں، کبھی فن اور آرٹ کے نام سے نفس کی پوجا ہو رہی ہے تو کبھی خدمت اور ترقی کے نام سے بت پوجے جا رہے ہیں، اور کہیں علم وادب کا سائن بورڈ لگا کر مادیت کے سیلاب کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر چیز کی شکل بدل گئی ہے اور ہر پہلو سے آزری فلسفوں کی خدمت ہو رہی ہے، یہ وہ وقت ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کو بت شکنی کے لیے کمربستہ ہونا چاہیے، آج ابراہیم جیسا ایمان، ابراہیم کی سی جرأت وہمت اور ابراہیم جیسا اخلاص چاہیے، جو مادیت کے فلسفوں میں جکڑی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کا مداوا کر سکے اور اس کو بچا سکے۔

آج اسی بت شکن، بہادر اور مرد مومن جری اور مخلص ابراہیم کی ضرورت ہے جس نے اپنے نفس ایمانی سے آزر کے جادو کو توڑا، اور اپنے اخلاص وعمل کے جذبہ سے آزر کے بت کدہ کو ٹھنڈا کیا، اس بت کدہ میں آج پھر بہت سے بت جمع ہوگئے ہیں اور ان کو توڑنے کے لیے ایک ابراہیم کی ضرورت ہے، لیکن بجز ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کے اور کون ہوسکتا ہے جو اس مہم کو انجام دے اور ابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کر کے انسانیت کا خراج حاصل کرے۔

☆☆☆☆☆

فکرِ معاصر

دعوتِ اسلامی میں حکمت ودانائی کی ضرورت

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

آج عالم اسلام کے ہر ملک اور شہر میں مسلمانوں کو ترقی دینے اور انہیں آگے بڑھانے کے لیے وہاں کے ماحول وحالات کے مطابق مختلف شکلوں میں کوششیں کی جاری ہیں، بہت سی سیاسی، تعلیمی اور اجتماعی تحریکیں اور ادارے مسلمانوں میں صنعت وحرفت کو رواج دینے کے لیے سرگرم عمل ہیں، عالم اسلام کا شاید ہی کوئی خطہ اس قسم کی رفاہی تنظیموں اور تحریکوں سے خالی ہو، یہ تنظیمیں اور ادارے مسلم اکثریتی ممالک میں عام طور پر حکومت کے تحت کام کرتے ہیں، ہاں البتہ جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں کی حکومتیں سیکولر ہیں تو وہاں مسلمان خود ہی ان اداروں کو چلاتے اور ان کا نظم ونسق کرتے ہیں۔

ان تحریکوں کے مقاصد میں مسلمانوں کے مختلف اداروں کے ذریعہ چلائی جارہی تعلیمی مہم کو فروغ دینا سرفہرست ہے، بالخصوص غیر اسلامی ممالک میں دیگر سرگرمیوں اور کوششوں کی بنسبت تعلیمی مہم کو آگے بڑھانے کو زیادہ اہمیت بلکہ اولیت حاصل ہے، اس لیے کہ تعلیم ہی ایک ایسا میدان ہے جس میں مسلمان اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی مقابلہ کرنے، نیز اپنی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور اپنی لیاقت وقابلیت کو ثابت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اسی کے ذریعہ معاشرہ میں وہ کوئی اہم مقام حاصل کرسکتے ہیں، پھر مسلم مخالف حکومتوں کے سوا دنیا کا کوئی نظام اور دستور سماج کے کسی طبقہ کو جسے قانونی شہری کی حیثیت حاصل ہو تعلیم سے نہیں روکتا۔

مسلمانان ہند نے ہندوستان کی اپنی طویل تاریخ میں بہت سے تعلیمی، تربیتی، سیاسی اور اقتصادی نظریات اور تحریکوں کا سامنا کیا، لیکن انہوں نے دینی تعلیم کے لیے پرائیویٹ مدارس اور جدید عصری تعلیم کے لیے اسلامی ادارے قائم کرکے اپنے دینی تشخص اور ملی امتیازات کو برقرار رکھا، ان میں سے بعض اداروں کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے، یہ اسلامی مدارس اور عصری دانش گاہیں حکومتی اداروں کے معاندانہ رویہ اور ان کے متواتر حملوں کے باوجود آج تک اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں نے ملک کے مختلف حصوں میں رفاہی و امدادی جمعیتیں (Charitable Trusts) قائم کیں جن کے مقاصد میں غیرسودی قرض دینا، صنعتی منصوبوں کو فنڈ فراہم کرانا اور مسلمان نوجوانوں کا تعلیم جاری رکھنے کے لیے تعاون کرنا شامل ہے تاکہ اقتصادی مسائل ان کی تعلیمی ترقی میں حائل نہ ہوسکیں۔

ان گراں قدر کوششوں کے علاوہ ان تمام علاقوں میں جہاں قابل لحاظ تعداد میں مسلمان رہتے ہیں حتی کہ دیہی اور پہاڑی علاقوں تک میں مدارس ومکاتب کے قیام کے لیے کوششیں جاری ہیں، یہ تمام سرگرمیاں حکومتی امداد کے بغیر محض اہل خیر حضرات کے رضاکارانہ تعاون سے جاری ہیں، بلکہ اس کے برخلاف مسلم مخالف عناصر ان کے تئیں معاندانہ اور جانبدارانہ رویہ رکھتے ہیں اور بسا اوقات ان تعلیمی کوششوں کو ناکام کرنے کے لیے مدارس پر دہشت گردی کے اڈے ہونے کا الزام لگاکر ان کے خلاف کارروائیاں کی جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں ذمہ دارانِ مدارس کو مصائب وشدائد بلکہ بعض حالات میں قید وبند کی سختیوں تک سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ایک طرف یہ سب کچھ ہے اور دوسری طرف بغیر کسی ردعمل کے اسلامی شناخت اور ملی تشخص کی حفاظت کی خاطر خاموش جدوجہد جاری ہے، مسلمان انتہائی صبر و ضبط اور حلم وبردباری کے ساتھ ان تمام حالات کا سامنا کرتے ہیں، مسلمانان ہند کے اندر اقلیتی طبقہ سے تعلق رکھنے اور غیروں کے محکوم ہونے کے احساس نے بہت حد تک ذاتی تحفظ اور خود کفالت کا جذبہ بیدار کردیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ان کے جذبات کو مجروح کرنے یا ان کے مقدسات کی بے حرمتی کرنے اور ان کی اسلامی شناخت کو نقصان پہونچانے والا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو تمام مسلمان متحد ہوکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مسلکی، گروہی اور طبقاتی اختلافات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور اپنی ایمانی غیرت کے مظاہرہ کے لیے ایک جان و یک قالب بن جاتے ہیں، یہی بے نظیر اتحاد اور ناقابل تسخیر قوت تھی جس نے یکساں سول کوڈ کے نفاذ اور مساجد و مدارس کی تعمیر پر پابندی کی کوششوں کو بارآور ہونے نہیں دیا، اس قسم کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کا اظہار ہر اس موقع پر ہوتا

File F:\Front.tif not found.

ہے جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی کتاب یا مضمون شائع ہوتا ہے بالخصوص جب کوئی گستاخ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی یا گستاخی کرتا ہے، مسلمانان ہند اپنا احتجاج درج کرانے اور اپنی آواز بلند کرنے کے لیے تمام قانونی وسائل اور دستوری مراعات کا سہارا لیتے ہیں اور جب تک اس کے برے اثرات زائل نہیں ہوجاتے وہ ہر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتے اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے چارہ جوئی کرتے رہتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں نے اس نازک موقع پر بھی افہام وتفہیم اور صلح جوئی کا راستہ اختیار کیا جب ان پر دہشت گردی کے الزامات لگائے گئے اور ملک کے مختلف حصوں میں ان کے نوجوانوں کو مختلف شہروں میں بم دھاکوں میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا، اس موقع پر مسلمانوں نے ان الزامات کی تردید کے لیے بڑے عہدیداران اور ذمہ داروں کو خطوط ارسال کئے اور انہیں میمورنڈم بھیجے، علاوہ ازیں جگہ جگہ مشترکہ جلسے منعقد کئے جن میں سیکولر اور انصاف پسند ہندو لیڈروں نے بھی شرکت کی، اسی طرح جب ممبئی میں دہشت گردی کا واقعہ پیش آیا تو مسلمانوں نے اس واقعہ کی سخت مذمت کی اور بڑے شدومد کے ساتھ اس سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا، پھر غزہ پر اسرائیل کے جارحانہ حملہ پر بھی ہندوستانی مسلمانوں نے بغیر کسی سخت ردعمل اور اشتعال انگیزی کے اپنی ناراضگی وناپسندیدگی کا اظہار کیا، اور ان کے دوش بدوش بہت سے برادران وطن نے بھی ان جنگی جرائم کی سخت مذمت کی۔

یقیناً اس قسم کے عمل کے لیے بڑے صبر وضبط اور قوت برداشت کی ضرورت تھی، اس لیے کہ غیر مسلم برادران وطن کے دل ودماغ میں آج بھی نفرت وعداوت کے وہ جذبات پنپ رہے ہیں جن کا بیج انگریز حکومت نے برسوں پہلے ڈالا تھا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فرنگیوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان دوریاں اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے اپنی پوری قوت اور سارے وسائل استعمال کیے اور مسلمانوں کو حکومت واقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کردیا، انہوں نے نفرت وعداوت کے وہ بیج بودیے جو وقت کے ساتھ ساتھ پنپتے رہے، یہ ایسی دشمنی تھی کہ اگر اس پر روک نہ لگائی جاتی اور بروقت اس کا علاج نہ کیا جاتا تو دنیا کے اس خطہ سے اسلام کا وجود مٹ چکا ہوتا، لیکن مسلم قیادت نے بڑی ہی احتیاط و دانشمندی کیساتھ اپنے قانونی حقوق کی بازیابی کے لیے تشدد وجذباتیت کا سہارا نہ لے کر افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کیا، غلط فہمیاں دور کرنے کی کوششیں کیں اور یکجہتی وحب الوطنی کا ثبوت دیا، لیکن اسلامی تہذیب اور اسلامی اقدار سے سرمو انحراف برداشت نہیں کیا، اس کی بہترین مثال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی پیام انسانیت کی تحریک ہے۔

یہ سب کچھ صرف اسی لیے ممکن ہوسکا کہ مسلمانوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے اسلامی تشخص کے ساتھ جینے اور مسلمان رہنے کے لیے ہر قسم کے حالات برداشت کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، انہوں نے اپنے تعلیمی، ثقافتی اور سیاسی اداروں کو اپنے خون جگر سے سینچا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج وہ سر اٹھا کر عالم اسلام کے دیگر افراد کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہے ہیں اور مسلمانوں کی ترقی کی کوششوں میں اپنے طویل تجربات سے ان کا بھرپور تعاون کررہے ہیں، اس بات کی گواہی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جس نے ہندوستان کا دورہ کیا ہو اور بچشم خود ان اسلامی اداروں اور اسلامی تہذیب کے ان زندہ مظاہر کا معاینہ کیا ہو جن کی نظیر بہت سے مسلم اکثریتی ممالک میں بھی نہیں ملتی۔

ہندوستان کا یہ طویل تجربہ عالم اسلام کے دیگر ممالک کے مسلم رہنماؤں کی توجہ کا طالب ہے، جہاں آج بھی خانہ جنگی جاری ہے اور خود برسراقتدار افراد دعوت اسلامی کے فروغ میں رکاوٹیں پیدا کررہے ہیں، کہیں اسلام کے دشمن اسلام کی راہ میں حائل ہیں، اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے درمیان کشمکش جاری ہے، اسلامی تحریکیں احساس کمتری اور خود اعتمادی کے فقدان سے دوچار ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہورہی ہیں، دوسری طرف اسلام مخالف عناصر کے مخالفانہ ومعاندانہ رویہ سے وہ اپنے آپ کو بالکل لاچار اور بے بس محسوس کررہی ہیں۔

ماضی میں اسلام محبت، اخوت، جذبۂ ایثار و قربانی، صبر وضبط، قوت برداشت، اخلاق حسنہ، قرآنی تعلیمات اور طریقہ نبوی پر عمل کرنے سے پھیلا تھا، آج بھی انہی وسائل سے اسے فروغ مل سکتا ہے، یہ وہ عناصر ہیں جن پر تمام حالات اور ہر قسم کے ماحول میں اسلامی عمل کی بنیاد رہی ہے، خواہ خوشحالی وآسائش ہو یا تنگی وآزمائش، بہرصورت یہی ہتھیار امت مسلمہ کے کام آئے ہیں: لایصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها.

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

کاروان رفتگاں

آخری قسط

عصر حاضر کے امیر کاروانِ حدیث

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ

ایک ناتمام جھلک!

● ......مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

مولانا سے ،اساتذہ کا حدیث شریف کی معلومات کیلئے رجوع

مولانا کی حدیث شریف میں مہارت، ذمہ داری کا اس سے علم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے اساتذہ کرام جو حدیث شریف کے درس اور وسعت نظر میں خود بھی بہت ممتاز اور بڑے مرتبہ کے حامل تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا یونس سے حل طلب حدیثی مباحث پر سوالات فرماتے اور ان کے علم ونظر سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور حضرت مولانا اسعد اللہ [ناظم مظاہر علوم سہارنپور] دونوں کے اس زمانہ میں مولانا جونپوری سے دریافت بعض سوالات اوران کے جوابات، حضرت مولانا کے مجموعۂ افادات "الیواقیت الغالیہ" میں محفوظ ہوگئے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کے اسباق میں جو بلند نگاہی، اور وسعت نظر مشاہدہ ہوئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ہی سال کے بعد صحاح ستہ کی اہم کتابیں مولانا کو دیدی گئیں، حضرت مولانا نے ١٣٨٦ھ [١٩٦٦ء] میں ابوداؤد شریف اور نسائی پڑھائیں، اور شوال ١٣٨٧ھ [١٩٦٨ء] سے ایک منزل کا اوراضافہ ہوا، علمی مرتبہ کی اور قدر دانی ہوئی، مسلم شریف کا سبق بھی حضرت مولانا کے حوالہ کر دیا گیا۔

صحیح بخاری کا درس اور شیخ الحدیث کا منصب

اس کے دوسال بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنے صحیح بخاری کے اسباق بھی مولانا محمد یونس صاحب کے سپرد فرمادیئے، اس وقت کتنے لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا اس نوجوان عالم پر، جس کی فراغت وتعلیم پر ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا، شیخ الحدیث مولانا زکریا جیسے عالی مرتبت، استاذ حدیث کا اعتماد غیر معمولی بات سمجھی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا نہ صرف اس اعتماد پر پورے اور کامل اترے اور بخاری شریف کے درس کا ایسا حق ادا کیا کہ ایک دنیا اس کی معترف ہوگئی۔

نوعمری میں حضرت مولانا علی میاں ندوی کے حدیث کے ایک سوال کا جواب اور..........

یہاں ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث کو لکھا، کہ میں ایک حدیث کی تلاش میں کئی مہینہ سے پریشان ہوں، کئی بڑے علماء اور اساتذۂ حدیث سے دریافت کیا مگر مشکل حل نہیں ہوئی، اس لیے اب آپ کی خدمت میں تحریر ہے کہ فلاں حدیث اگر معلوم ہو تو اس کے الفاظ اور حوالہ سے مطلع فرمائیں، اسی دن جب مولانا یونس صاحب، شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے پوچھا ارے یونس، مولوی علی میاں کا خط آیا ہے، انہیں اس حدیث کی تلاش ہے، یہ حدیث کہیں ہے؟ مولانا نے برجستہ جواب دیا اور کہا جی، امام غزالی نے یہ روایت احیاء العلوم میں نقل کی ہے اور عراقی نے اس کی تخریج بھی کی ہے، شیخ نے فرمایا لکھ کر لا! مولانا گئے اور فوراً ایک کاغذ پر لکھ کر لے آئے، شیخ نے اسی دن کی ڈاک سے وہ جواب مولانا ندوی کو بھیج دیا اور لکھا میں نے مولوی یونس سے کہا تھا وہ فوراً لکھ لائے جو بھیج رہا ہوں۔ حضرت مولانا علی میاں کو فوراً یہ جواب ملا تو بہت تعجب ہوا، جواب میں حضرت شیخ کو لکھا کہ اس مرتبہ آؤں گا تو مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہوں گا، اس کے بعد حضرت مولانا علی میاں سہارنپور تشریف لائے، آتے ہی حضرت شیخ الحدیث سے کہا کہ میں مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، شیخ نے اپنی سادگی کے بے تکلفانہ انداز سے فرمایا: بلائیو یونس! کو اور چند منٹ کے بعد ایک نوعمر نوجوان [جس کے پوری داڑھی بھی نہیں نکلی تھی] بہت سادہ معمولی لباس میں آیا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ لے، یہ علی میاں تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، مگر، مولانا علی میاں صاحب کو کچھ تأمل سا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میں مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہتا تھا، جنہوں نے وہ حدیث شریف لکھ کر بھیجی تھی، شیخ نے جواب میں کہا کہ یہی تو ہے وہ، مولانا علی میاں کو بہت زیادہ تعجب ہوا، اور اس وقت سے حضرت مولانا کے یہاں، مولانا یونس صاحب کی بہت زیادہ قدر ومنزلت ہوگئی تھی۔

حدیث شریف میں مہارت وامتیاز

حضرت مولانا نے اس وقت سے زندگی کے آخری سال نصف صدی تک تقریباً بخاری شریف کا

File F:\Front.tif not found.

نہایت پابندی سے درس دیا، جس کا دنیا کے کونہ کونہ میں استقبال ہوا، اور ساری دنیا سے نہ صرف طلباء بلکہ فاضل اساتذہ حضرت مولانا سے حدیث شریف خصوصاً صحیحین پڑھنے آئے۔ حضرت مولانا سے صحیحین پڑھنے والے صرف طلبائے مظاہر علوم نہیں تھے، بلکہ دنیا بھر کے بہت سے [غالباً چالیس سے زائد] ملکوں کے علماء اساتذۂ حدیث، اور نوجوان فاضل طلباء نے کثرت سے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری دی، صحیحین خصوصاً بخاری شریف، بہت سوں نے سنداً ومتناً پڑھی، بعضوں نے جزوی حصہ پڑھ کر اجازات لیں، یوں مولانا کا فیضان دنیا بھر میں پھیلتا اور عام ہوتا چلا گیا۔ ادھر تقریباً آٹھ دس سال سے حرمین شریفین اور برطانیہ وغیرہ میں بھی درس حدیث کی مجلسیں جمتیں اور بڑی تعداد میں اہل علم و نوجوان، فضلاء اس میں شرکت کرتے۔ حضرت مولانا نے اپنے درس مشکوٰۃ کے آغاز کے وقت سے، پوری زندگی اور اس کے اکثر اوقات خدمت حدیث نبوی شریف میں اس طرح لگادیے تھے کہ اس کے بعد دنیا کے کسی کام سے سروکار نہیں رکھا اور یہ بات بہت لوگوں کے لئے حیرت کا سبب ہوگی کہ مولانا جب سہارنپور پڑھنے کے لئے تشریف لائے، اس کے بارہ، تیرہ سال بعد گھر گئے تھے۔ علم کے سفر میں اس طرح ہمہ تن مشغول ہوئے کہ ہر چیز ثانوی ہوگئی تھی، نہ کھانے کی فکر، نہ پہننے کا شوق، نہ آرام و بستر کا خیال اور نہ کسی عزت و مرتبہ کی تلاش!

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک گمنام و بے نشان گاؤں کے ایک اجنبی طالب عالم کو، کن کمالات اور خوبیوں نے مرجع زماں، محدث دوراں سے امیر المؤمنین فی الحدیث کے غیر معمولی مقام تک پہنچایا۔ حضرت مولانا کے کمرے میں ایک چھوٹی سی معمولی سی چارپائی اور اس پر بہت ہی معمولی دری اس پر ایک کم قیمت چادر اور ایک کم پیسوں کی لنگی اور دو کرتے، مولانا کا کل اثاثہ تھا۔ کھانے کا بھی کچھ زیادہ اہتمام نہیں تھا، وقت پر جو مل گیا اسی پر اکتفا کرلیا، جو تھوڑا بہت روکھا سوکھا سامنے آیا کھالیا۔ بعض مرتبہ کسی مصروفیت اور مطالعہ کی وجہ سے کھانا لانے کا خیال ہی نہ رہتا تھا، جب ابتدائی استاذ مقرر ہوئے، اس کے دو سال بعد مدرسہ کی جانب سے ملنے والا کھانا بند ہوگیا تھا، تنخواہ صرف تیس روپے ماہانہ کھانے کے بغیر تھی، اور جب زمانہ طالب علمی میں تعلیم اور مطالعہ کے نقصان کے خیال سے مطبخ کی لائن میں نہیں لگتے تھے، تو مدرس ہونے کے بعد تو اس کا خیال ہی کیا تھا، کھانا ایک آدھ طالب علم کے حوالہ رہتا وہ لاتا اور کبھی کبھی بھول جاتا، جب کھانا نہ آتا تو وہ وقت بغیر کھائے گذرتا تھا، اسی شان سے برسوں گذرے، اس کی تفصیلات طویل ہیں، موقعہ ہوگا تو آئندہ کسی وقت پیش کی جائیں گی۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا نے علم کی راہوں میں خود کو اس طرح لگایا اور مٹادیا جس کی اس دور میں بھی مثالیں بہت ہی کم تھیں، مولانا کا جیسے جیسے علمی سفر آگے بڑھتا گیا، علم تدریس اور کتابوں کی حدود سے نکل کر دریاؤں کی سی وسعت اور گہرائی اختیار کرتا گیا ساتھ ہی حضرت مولانا میں تواضع اور بے نفسی کا احساس بھی بڑھتا گیا۔ آخر آخر میں تو بار بار کہتے، تذکرہ کرتے اور آنکھوں میں آنسو آجاتے، کہ یہ صرف اللہ کا فضل وکرم اور میرے استاذ کی دعائیں ہیں، جو تم لوگ مجھے ایسا سمجھتے ہو، لوگ میری عزت کرتے ہیں، ورنہ میں تو ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں، اور اپنے رشتہ داروں اور گاؤں والے بچوں کے ساتھ اپنے قد سے تین چار گنی اونچی بھینس جنگل اور تالاب میں چرایا کرتا تھا، یہ بات کہتے اور آنکھوں میں آنسو آجاتے، میں نے خود کئی مرتبہ دیکھا اور اوروں سے بھی بار بار سنا:

حضرت مولانا نے، اندازہ یہ ہے کہ اٹھارہ بیس ہزار باقاعدہ شاگرد چھوڑے، جن کے ذریعہ سے حدیث کا فیض پوری دنیا میں جاری ہے۔

حضرت مولانا کی علمی خدمات کا دائرۂ علم و افادہ، مجلس درس یا مظاہر علوم کے احاطہ تک محدود نہیں تھا، یہ فیضان کئی صورتوں میں ظاہر اور عالم آشکارا ہوا، ہر جگہ خصوصاً حرمین شریفین میں اس سے فیضیاب ہونے والوں کی لمبی قطاریں لگیں اور بڑی بڑی مجلسیں جمیں۔

علمی مسائل کی جستجو میں اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی

اس تبحر، غیر معمولی وسعت نظر اور پوری زندگی علم و مطالعہ میں گزارنے، تقریباً مسند امامت حدیث پر فائز ہونے کے باوجود آخر آخر تک بھی دوسرے کی رائے سنتے تھے، جو باتیں بہت اہم ہوتیں یا خاص علمی حوالوں پر مشتمل ہوتی تھیں، ان پر اور زیادہ توجہ فرماتے تھے اور کبھی کبھی اپنی کتابوں پر بھی ان کی یادداشت اور حوالے لکھ لیتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں مقیم ایک ممتاز فاضل شیخ احمد عاشور [جو حضرت مولانا کے خاص شاگرد بھی ہیں] کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور متون ومباحث کے استحضار کے بہت قائل اور معترف تھے، اکثر ان کے حافظہ اور استحضار کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور اپنی کئی کتابوں کے حواشی میں ان کے افادات نقل کئے جن کے آخر میں "احمد" لکھا ہوا ہے۔

ابھی وفات سے تین مہینے پہلے [رجب ۱۴۳۸ھ] کی بات ہے کہ مولانا کے ایک ادنیٰ

File F:\Front.tif not found.

شاگرد نے، حضرت مولانا کے سامنے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کا ایک ثبت[اسانید وسلسلہ اجازات کا مجموعہ] پیش کیا۔ یہ ثبت نہایت نادر ہے،[۱] اس میں حضرت شاہ عبدالغنی نے اپنی تمام سندیں اور اجازتیں جمع فرمائی ہیں، مرتب مجموعۂ اسانید نے عرض کیا کہ ہمارے اکابر کی تمام سندوں کو صرف حضرت شاہ اسحاق کے حوالہ سے کیوں نقل کیا جاتا ہے، ان میں حضرت شاہ عبدالغنی کے اور اساتذہ کا کیوں تذکرہ نہیں آتا، جب کہ تمام اثبات ومشیخات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی خود حضرت شاہ عبدالغنی نے بھی لکھا ہے کہ ان کے پہلے استاذ حدیث شیخ محمد عابد سندھی ہیں۔

اور شیخ عابد سندھی کی بعض اسانید ، اسانید خاندان ولی اللّٰہی سے عالی ہیں، حضرت مولانا نے اس بات کو بہت غور اور توجہ سے سنا اور فوراً ثبت کو بھی محفوظ کیا اور اپنی کتاب پر اس کی یادداشت بھی لکھی، اور فرمایا میں آئندہ سال سبق میں اس کا تذکرہ کروں گا، اسی طرح اور بھی کئی موقعوں پر ہوا کہ جب کوئی ایسی بات عرض کی گئی تو حضرت مولانا نے اس پر فوراً اہتمام سے توجہ فرمائی۔

مولانا کے علمی افادات

حضرت مولانا کی علمی خدمات کا دوسرا پہلو تحریر وتصنیف کی صورت میں جلوہ گر ہوا، کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا نے ابتدائی زمانۂ تعلیم سے مختلف اہم ترین علمی مباحث وموضوعات پر بڑی گہرائی اور وسعت نظر کے ساتھ لکھا اور زیر تحریر تمام عنوانات وموضوعات کا حق ادا کرنے کی بھر پور کوشش کی، حضرت مولانا نے کئی کتابوں پر مقدمے تحریر کیے، متعدد، شاید دسیوں کتابوں کی تخریجات کیں، اور بعض پر حاشیے لکھے، ہدایہ اولین کا مقدمہ بڑی معرکہ کی تصنیف ہوتی اگر مکمل ہوجاتی ، اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح پر بسیط مقدمہ، اصول الشاشی، اور نور الانوار کی روایات کی تخریج وتحقیق اور مختلف کتابوں اور ضمنی موضوعات وعنوانات پر چھوٹی بڑی تصانیف ، اجزاء اور رسائل تحریر کئے، ان کی مجموعی تعداد، میرے اندازہ کے مطابق، پینتالیس پچاس کے درمیان ہوگی، یہ تحقیق وتصنیف مولانا کا گویا دائمی معمول تھا۔

پچاس سال تک حضرت مولانا کا قلم، دسیوں عنوانات کے تحت سرگرم سفر رہا، یہاں کس کس کا تذکرہ کیا جائے، کس کس کی بات کی جائے، صحیح مسلم کے مقدمہ پر حضرت مولانا نے دو کتابیں علیحدہ لکھیں، حضرت امام بخاری کے احوال اور ان کی کتاب کے منہج پر ایک بسیط تالیف فرمائی، اس کے علاوہ زیر مطالعہ کتابوں پر کثرت سے حاشیے، افادات، تصحیحات ، تخریج روایات، اغلاط و مندرجات کی تصحیح، گویا ایک دائمی عمل تھا، جو آخری دنوں تک جاری رہا۔

حضرت مولانا نے حدیث شریف کی بڑی کتابوں میں سے سب سے پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھائی، اس پر کس قدر محنت کی اور کیا کیا لکھا، میں کیا عرض کروں۔ مجھے بھی حضرت مولانا سے مشکوٰۃ و صحیحین پڑھنے کی سعادت وعزت حاصل ہے، اس لیے میں اور میرے ساتھی حضرت مولانا کے حاشیۂ مشکوٰۃ میں بے پناہ انہماک کو دیکھتے رہتے تھے۔ مولانا کے خیالات وتصورات پر دن رات ، وہی غالب رہے، سوتے جاگتے اسی پر غور کرتے، اسی کے مباحث اور متعلقات میں کھوئے رہتے تھے۔ مشکوٰۃ بلکہ حدیث شریف کے مباحث وعنوانات کی طلب وجستجو اور تحقیق میں حضرت مولانا نے دوپہر کا آرام اور رات کا سونا بھی قربان کردیا تھا، مہینے میں کئی کئی راتیں ایسی گذرتیں کہ حضرت مولانا مطالعہ میں عشاء سے فجر کردیتے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مظاہر علوم مدرسہ قدیم کی مسجد کے مؤذن، مرحوم اللہ بندہ کاندھلوی مولانا کا آ کر مونڈھا ہلاتے اور کہتے، مولوی صاحب فجر کی تکبیر شروع ہوگئی ہے، اور یہ انتہائی سردی کی لمبی راتوں کی بات ہے، اس وقت نہ مولانا کے کمرے میں بجلی تھی، نہ اچھا بستر تھا، اوڑھنے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا، صرف ایک معمولی سی رضائی تھی، جو برسوں تک استعمال کی وجہ سے اپنا رنگ اور شاید اپنی گرمی بھی چھوڑ چکی تھی، جب ایسا جذبہ اس قدر غیر معمولی انہماک اور ایسی بے پناہ اور غیر معمولی محنت وتوجہ ہوگی، تو علم کیوں نہیں ان کے لیے اپنے پر کو کھول دے گا اور کیوں نہیں بارگاہ الٰہی سے باب قبولیت مفتوح ہوگا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے اجازت

حضرت مولانا کی زمانۂ تعلیم میں تزکیہ وسلوک اور معمولات مشائخ کی جانب زیادہ توجہ نہیں تھی، بعض اساتذہ اور خود شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے بھی ان کو توجہ دلائی، مگر بیعت اور ذکر دونوں کی طرف زیادہ التفات نہیں تھا، مدرس ہونے کے بعد خود ہی بعض معمولات شروع کر دیئے تھے جو چلتے رہے، اسی دوران حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت ممتاز خلیفہ اور مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم، مولانا کے خاص استاذ بھی تھے، ایک دن ۵؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ [۸؍جنوری ۱۹۷۶ء] عصر کی نماز کے لیے جاتے وقت دارالطلبہ قدیم کی مسجد کے

File F:\Front.tif not found.

دروازہ پر مولانا کو خلافت واجازت سے نوازا، تقریباً دس مہینہ کے بعد ۱۱/ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ [۴/نومبر ۱۹۷۶ء] حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے بھی اجازت بیعت عطا کی، اس وقت مولانا نے بتایا کہ مولانا اسعد اللہ صاحب نے بھی مجھے اجازت دی ہے۔ مولانا نے ابتدائی کئی سالوں تک اس کی کوشش کی کہ لوگوں کو اس اجازت کا علم نہ ہو، مگر بعد میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا جو آہستہ آہستہ بہت وسیع ہوگیا تھا، ہزار ہا اشخاص مولانا کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، جس میں خاصی تعداد علمائے کرام اور اہل مدارس کی تھی۔ حضرت مولانا نے بھی کئی لوگوں کو خلافت واجازت سے نوازا، جس میں سے بعض کو تفصیلی طور پر سیر سلوک کرائی گئی، مولانا کے خلفاء کی تفصیل مجھے معلوم نہیں مگر اندازہ یہ ہے کہ چوبیس، پچیس لوگوں کو خلافت دی گئی۔

علمی آثار ومؤلفات

باقاعدہ تصانیف کے علاوہ، حضرت مولانا کے افادات کی دو خاص یادگاریں اور ہیں۔

ایک وہ علمی خطوط ومراسلات ہیں، جو مولانا کے نیازمندوں نے اور ہندوستان کے علاوہ اور ملکوں کے اہل علم واہل کمال نے اور ان سب سے بڑھ کر حضرت مولانا کے تقریباً تمام استادوں نے، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد زکریا نے بھی مولانا سے بار بار رجوع کیا، تحریری طور پر ان سے سوالات کئے اور حضرت مولانا نے ان کے جامع، مدلل جوابات تحریر کیے، جو ان حضرات کی خصوصی دعاؤں کا ذریعہ بنے۔

مولانا مفتی زید اور مولانا محمد ایوب سورتی کا بڑا کام

حضرت مولانا، اکثر سوالات کے اطمینان بخش اور مفصل جواب دیتے تھے اور ان میں سے بہت سے جوابات کی نقل طلباء سے کرالیا کرتے تھے، ایسے سوالات وجوابات کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا کے ذخیرہ میں موجود تھا، آٹھ دس سال سے حضرت مولانا کے نیازمند اور شاگرد، مولانا سے بار بار گذارش کررہے تھے کہ ان سب کو مرتب وشائع ہونا چاہیے، حضرت مولانا ہمیشہ متواضعانہ کلمات فرماتے اور صاف انکار کردیا کرتے تھے، بالآخر یہ سعادت مولانا مفتی زید صاحب [استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ] کے حصہ میں آئی، انہوں نے حضرت مولانا کے افادات ومکتوبات جمع کرکے دو تین حصوں میں نوادر الحدیث اور نوادر الفقہ جس میں اور بھی چیزیں ہیں، اللآلی المنثورۃ کے عنوان سے شائع کردیئے، پھر اس کام کو مولانا ایوب صاحب سورتی نے بڑے پیمانہ پر آگے بڑھایا، جس کی چار بڑی جلدیں "الیواقیت الغالیہ" کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، اور علمی حلقوں میں بہت مقبول ہیں، [۲] اس کی ایک جلد اور متوقع ہے۔

افادات صحیح بخاری

مولانا ایوب صاحب نے اس کے بعد حضرت مولانا کے بخاری شریف کے درسی افادات مرتب کرنے کا آغاز کیا اور اس کے لیے بہت محنت اور کوشش سے ایک بڑے کام کی بنیاد رکھی۔

حضرت مولانا کا اک دائمی معمول یہ تھا کہ وہ حدیث شریف کی جو بھی کتاب پڑھاتے، اس کے ہر دو ورقوں کے بیچ میں ایک سادہ ورق لگا کر، اس پر تازہ مطالعہ اور حوالے لکھتے رہتے تھے، مشکوٰۃ شریف اور صحیح بخاری میں یہ ہوا کہ وہ سادہ صفحات جو لگوائے گئے تھے، بالکل پر ہوکر ناتمام ثابت ہوئے، تحریری افادات رقم کرنے کا سلسلہ بدستور جاری رہا، اس کے لئے اجزاء مرتب کئے گئے، وہ اجزا ہر دو اوراق کے بیچ میں رکھے جاتے تھے، مگر پھر ایک وقت وہ آیا کہ یہ اجزاء بھی ناکافی ثابت ہوئے لیکن حضرت مولانا مختلف کاغذات کے پرچوں یا بڑے صفحات پر نئی معلومات یا تازہ اطلاعات مسلسل تحریر فرماتے رہے، یہاں تک کہ بعض دو، دو صفحات کے بیچ میں حضرت مولانا کے قلم کے لکھے ہوئے، دس سے پچاس کاغذات واوراق تک منسلک ہیں، اور ہر ایک نئے دن کے ساتھ ان میں نیا اور مسلسل اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ حضرت مولانا کے یہ افادات، تحقیقات حدیث پر مشتمل نئے مطالب ومعانی کی تحریر و رہنمائی ہے جو صحیح بخاری کی اکثر معروف شروحات پر اضافہ اور نئی دریافت شمار کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا کا بخاری شریف کے تراجم وابواب پر بھی لکھنے کا ایک دائمی معمول تھا، ہر سال ان اجزاء کو دیکھتے اور ان میں کثرت سے حذف واضافہ فرماتے رہتے تھے، یہ غالباً پچاس سے زیادہ کاپیاں اور اجزاء ہیں، جس میں حضرت مولانا کے پچاس سالہ مطالعہ اور تحقیقات کا حاصل قلم بند ہوگیا ہے، مگر یہ بھی مولانا کے علم کی منتہائے پرواز نہیں تھی، ان کا شہباز علم ہمیشہ بلند سے بلند تر منزلوں او رعالی سے عالی تر مقامات کی جستجو میں رہتا تھا۔

حضرت مولانا سے ہر چند درخواست کی گئی کہ وہ ان سب چیزوں کو مرتب فرمادیں، ان کو شائع کرنے کی اجازت دیدیں، مگر مولانا ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ یہ تو طالب علمانہ افادات ہیں، ہمیشہ انکار کرتے رہے، مگر مولانا ایوب صاحب کی مرتبہ "الیواقیت الغالیہ" کے بعد ان چیزوں کی اشاعت سے جو بیزاری سی تھی وہ کم ہوئی اور ان چیزوں کے عکس، مولانا ایوب صاحب کے حوالے کردیے۔

File F:\Front.tif not found.

كتاب التوحيد

اس سلسلہ کی پہلی اشاعت، حضرت مولانا کے بخاری شریف کے آخری باب "الرد علی الجھمیہ" کے پرانے درس کی تقریر تھی، جس کو مولانا ایوب صاحب نے اپنی تعلیم کے وقت قلم بند کیا تھا، مولانا ایوب صاحب نے اس کو نہایت سلیقہ سے مرتب کرکے، عمدہ کمپوزنگ، عمدہ کاغذ اور خوشنما جلد کے ساتھ شائع کیا۔ جو بڑے سائز کے دوسو اڑتیس صفحات پر آئی ہے۔ کتاب التوحید کی عمدہ طباعت حضرت مولانا کی خوشنودی اور دعاؤں کا سبب ہوئی اور حضرت مولانا نے، مولانا سورتی صاحب کو، اپنی تحریرات پر کام کرنے کی پوری اجازت دیدی۔

سب سے پہلے مولانا نے بہت محنت اور لمبی دماغ سوزی کے بعد، حضرت مولانا کے ان افادات کو تحریری صورت میں مرتب کرنے کا ارادہ کرلیا اور بخاری شریف کے حضرت مولانا کے خاص افادات پر توجہ اور محنت کی اور اس کو مرتب کرکے "نبراس الساری الی ریاض البخاری" کے نام سے شائع کرنا شروع کیا، اس کی پہلی جلد حضرت مولانا کی حیات میں شائع ہوگئی تھی، جو کتاب الوضوء تک ہے اور بڑے سائز کے پونے چھ سو [۵۷۰] صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد بھی تقریباً اسی قدر صفحات پر آرہی ہے، جس کی طباعت تقریباً مکمل ہوچکی ہے، امید ہے کہ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ تک منظر عام پر آجائے گی، تیسری جلد اختتام کے قریب تھی، امید ہے کہ وہ بھی جلد ہی مکمل ہوجائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

یہ سلسلہ اگر حضرت مولانا کے منصوبہ اور ترتیب کے مطابق مکمل ہوتا، تو خیال یہ تھا کہ شاید دس جلدوں میں آتا، اللہ تعالیٰ مولانا ایوب صاحب کی اس سلسلہ میں بہت زیادہ مدد فرمائے اور یہ سارا سلسلہ اسی شان سے مکمل ہوکر طباعت سے آراستہ ہوجائے۔

مگر یہ سلسلۂ افادات وتحریر جو "نبراس الساری" کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا ہے حضرت مولانا کی درسی تقریروں کے علاوہ ایک بڑا سرمایہ اور خزانہ ہے، مشکوٰۃ المصابیح اور صحیحین خصوصاً صحیح بخاری کی درسی تقریر پچاسوں طلباء نے اپنی اپنی تعلیم کے دوران مرتب کیں ان میں سے بعض مستقل شروحات کی حیثیت رکھتی ہیں امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ "نبراس الساری" کے بعد ان کی طباعت پر بھی توجہ ہوگی۔

اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا کے علمی افادات یادداشتوں اور کتابوں پر درج حاشیوں کا ایک بہت بڑا وسیع سلسلہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے اسباب مہیا فرمائے اور اہل علم خصوصاً حضرت مولانا کے شاگردوں اور متعلقین کو ان کی حفاظت و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین

حضرت مولانا کی وفات اچانک اور بالکل غیر متوقع ہوئی، مولانا کی صحت کبھی بھی بہت اچھی نہیں رہی، طالب علمی کے وقت سے مختلف قسم کی بیماریوں کا دائمی سلسلہ تھا، جو کبھی کم ہوجاتا، کبھی بڑھ جاتا، ادھر آخری چھ سات سال میں دو تین مرتبہ بہت زیادہ بیمار ہوئے، ایسے کہ زندگی کی امید نہیں رہی تھی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے حیات بخشی، حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ صحت کے ذرا بحال ہوتے ہی فوراً اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے، اس وقت جب وفات ہوئی کوئی باقاعدہ بیماری یا ایسی کیفیت نہیں تھی کہ، جس سے آنے والے خطرہ کا احساس ہوتا۔ ۱۵/شوال دوشنبہ کے کا دن تقریباً معمول کے مطابق گذرا، دوپہر میں کھانا کھایا، آرام کیا، اور جو روزانہ کی ترتیب تھی اس پر عمل ہوتا رہا، رات میں مغرب کے وقت سے طبیعت کچھ مضمحل ہوئی، کھانا بھی نہیں کھایا اور اضمحلال وکمزوری کا بہت احساس کرتے رہے، اسی دوران کچھ بے ہوشی بھی ہوئی مگر پھر افاقہ ہوگیا، افسوس کہ اس وقت کسی ذمہ دار، سمجھ دار آدمی کے موجود نہ ہونے سے اس پر پوری توجہ نہیں ہوئی، اچھے ڈاکٹر کو نہیں دکھایا گیا پوری رات بہت کمزوری، نیم بے ہوشی میں بسر ہوئی، صبح صادق کے وقت معمول کے مطابق اٹھے، حضرت مولانا کا فجر کی نماز اول وقت پڑھنے کا معمول تھا، نماز کے لیے تیاری کی نماز پڑھنی شروع کی مگر دوسری رکعت کے سجدہ سے کمزوری کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکے، خادم نے بعد میں اٹھایا، بے ہوشی طاری تھی اس کے بعد افاقہ نہیں ہوا، اور اسی کیفیت میں وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون.

ندعو اللہ رب العالمین أن یرحم شیخنا المحدث الربانی الرجل الصالح الولی الخفی، وأن یسکنه فسیح جناته و أن یجمعنا به في جنات النعیم وأن لا یفتنا بعده وأن ینفعنا بعلمه وأدبه ومنهجه.

حواشی:

۱- اس کا ایک ہی نسخہ اب تک دستیاب ہوا ہے، اس کو اشاعت کے لیے مرتب کرلیا گیا ہے، عنقریب طباعت متوقع ہے۔

۲- اس کے دقیق موضوع، بڑی ضخامت اور چار جلدوں کے باوجود اس کے دو ایڈیشن ختم ہوچکے ہیں، غالباً تیسری طباعت بھی آچکی ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

عصر حاضر

عیدقرباں اورعصر حاضر میں اس کا پیغام

● ....مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

عیدقرباں کا مبارک دن ان مقدس ہستیوں کی یاددلاتا ہے جن کی پوری زندگی خیرخواہی، بہی خواہی، امن وسلامتی اورظلم وزیادتی کے وقت صبروتحمل سے عبارت ہے، جنھوں نے حالات وزمانہ کے آہنی پنجوں سے نبردآزمائی کی اورزمانہ کے رخ کوموڑ دیا اوربلکتی ہوئی انسانیت کے سہارا بنے، دیکھنے میں وہ کمزورونا تواں تھے؛ لیکن عزم وارادہ کے دھنی اورفکر وعقیدہ میں ایسے پختہ کہ اٹھتے ہوئے شعلوں کے طوفان سے بھی وہ نہ گھبرائے بلکہ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یہ دن اپنے ساتھ سچائی اورسلامتی کے راستے کو اپنانے کا پیغام لے کرآتا ہے، ظلم وزیادتی کرنے والوں کے برے انجام کی یاددلاتا ہے، اپنے فائدے کے لیے دوسروں کا حق مارنے والے کو عبرت ناک انجام سے خبردارکرتا ہے اوریہ بتاتا ہے کہ ایثاروقربانی کی راہ خواہ کتنی ہی پرخطراورکٹھن کیوں نہ ہواس پرچلنے والے ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں، قدرت انھیں ایسی زندگی عطا کرتی ہے جس کے آگے موت کی ساری چالیں بیکار ہوجاتی ہیں، ان کے اصول، ان کے نقش قدم اوران کی تعلیم آنے والی نسلوں میں اخلاقی گراوٹ سے بچنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

انسان سے محبت کرنے والے، دوسروں کے لیے تکلیف اٹھانے والے، سچ بولنے اورحق کا ساتھ دینے والے اورمظلوموں کی مدد کرنے کے لیے سینہ سپر ہونے والے ایسے چراغ روشن کر جاتے ہیں جن کی روشنی سے ہراس برائی کے اندھیر دور ہوتے رہتے ہیں، جوانسانیت کوتاریکی اورپستی کی طرف لے جاتے ہیں۔

آج کا دن اس معمارحرم کی یاددلاتا ہے جس نے صبروشکر کے ساتھ زمانے کے رطب ویابس کو برداشت کیا؛ لیکن فکروعقیدہ کا سودانہیں کیا، مصائب کی بڑی بڑی گھاٹیوں کو طے کیا؛ لیکن راہ کی آبلہ پائی کی شکایت نہیں کی، خارداروادیوں سے گذرا؛ لیکن تھک کربھی ہمت نہیں ہارا، وطن سے بے وطن ہوا؛ لیکن حقیقی زندگی کی کیف وسرمستی کی جلوہ طرازیاں اس کے ہمرکاب رہیں، وہی وہ ذات ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"اِنَّ اِبرَاهِیمَ لَحَلِیمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیبٌ" (بیشک ابراہیمؑ بڑے بردباراورنرم دل تھے)۔

تقریباً ساڑھے چارہزارسال پہلے عراق کی سرزمین پرایک ایسی شخصیت پیداہوئی، جوذکاوت و ذہانت میں نادرۂ روزگارتھی، جس کے علم وفن کا شہرہ دور دورتک پھیلا ہواتھا، اسے بت گری اورمجسمہ سازی میں یدطولیٰ حاصل تھا، وہ بادشاہ کا مصاحب بھی تھا اور وزارتی کونسل کا ایک اہم فردبھی تھا، اس نے اپنے رسوخ اورفن کی بدولت بت گری کوملک کی ثقافت کا امتیازی وصف بنادیا تھا، وہ شاہی دربار میں ذی مرتبہ اور دیوتاؤں کی مجلس کا امام سمجھا جاتا تھا، اس کا نام آزرتھا، آزرکے گھر میں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوتی ہے، آنکھیں کھولتے ہیں توبتوں کا ہجوم ہے، دیوتاؤں کی فہرست میں مہروماہ واختر اورنجوم بھی ہیں، میلوں اور ٹھیلوں کا زورہے، بھجنوں اورطربیہ نظموں کے الاپ سے پوری فضا پرشورہے، ماحول ایسا ہے جوپتھر کوبھی موم کرکے اپنے سانچے میں ڈھال دے؛ لیکن سلامتی ہوحضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر، ان کی جرأت وجسارت پر، ان کے عقیدہ وعمل پر، ان کی ذکاوت حسی اورذہانت فطری پرکہ انھوں نے اپنے والدآذرکومخاطب کرتے ہوئے کہا:

"یَاأَبَتِ لَاتَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیّاً، یَاأَبَتِ اِنِّیٓ أَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیّاً" [سورہ مریم] (اباجان! شیطان کی عبادت نہ کیجیے، بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے، اباجان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ شیطان کے دوست بن کر عذاب خداوندی میں گرفتار ہوجائیں)۔

باپ نے معصوم بیٹے کی فریاد کی قدرنہ کی، اس کافن اورمنصب اورجاہ ومنزلت نے ان خیرآگیں کلمات کوقبول کرنے سے گریز کیا، اس نے اپنے لخت جگرکودرشت لہجہ اورکرخت آواز اوردھمکی آمیز انداز میں یوں مخاطب کیا:

"قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِی یَا اِبْرَاهِیمُ، لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِی مَلِیّاً" (آذرنے کہا: ابراہیم! میرے معبودوں سے انحراف کرنے سے اگربازنہ آؤگے توسنگسارکردوں گا اورمجھے تم ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو)۔

حضرت ابراہیمؑ اگردنیادارہوتے، جاہ ومنصب کے طالب ہوتے، توڈرجاتے، خاموشی اختیار کرلیتے، دبے پاؤں واپس ہولیتے؛ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اوراس کے رسول تھے، وہ سلامتی کے طالب تھے اوردوسروں کوسلامتی کی فصیلوں تک پہنچانا چاہتے تھے، اگروہ حلیم نہ ہوتے توباپ کی غضبناکی

File F:\Front.tif not found.

انھیں پگھلا دیتی ؛لیکن وہ استقامت کے پہاڑ تھے، عقل کے دھنی اور علم کے پیکر تھے، اپنے والد کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے اس موقع پر جو کچھ کہا قرآن کریم نے اس کو یوں بیان کیا ہے:

”قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِيًّا، وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَأَدْعُوْ رَبِّیْ عَسٰٓی أَنْ لَّآ أَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِيًّا“. (ابراہیم نے کہا: ابا جان! سلام ہو آپ پر میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے اور میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور امید ہے کہ اپنے پروردگار کی پکار سے محروم نہ ہوں گا)۔

آذر کے قصر نخوت و پندار میں ایک بھونچال آجاتا ہے، بات آگے بڑھتی ہے، شاہ وقت تک پہنچتی ہے، نمرود جو خدائی کا دعویدار تھا، اس نے قوت وطاقت کے نشہ میں ہر ممکن اس آواز کو دبانے کی کھلی چھوٹ دیدی ہے، جو حق وباطل میں تفریق پیدا کرے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کے درمیان خط فاصل کھینچے اور خدائے واحد، برتر و بزرگ کی کبریائی کو بیان کرے، اس کے لئے اس معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اس کو فنا کردینا چاہیے، حضرت ابراہیمؑ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے خدائے واحد کے پیغام کو پہونچایا تھا، بتوں کی نفی کی تھی، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے جوڑنے کی کوشش کی تھی، ظلم وبربریت کے خلاف آواز اٹھائی تھی، رسم ورواج اور خود ساختہ نظریات و مزعومات پر کھل کر تنقید کی تھی، حالانکہ وہ انھیں میں سے تھے؛لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل کی یاوری نے ان کو اس مقام بلند پر فائز کردیا تھا، اس کا تذکرہ قرآن پاک میں یوں آیا ہے:

”اور بالیقین ہم ابراہیم کو اچھا فہم عطا کر چکے تھے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے، وہ وقت یاد کرو جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم والوں سے کہا: یہ کیا (واہیات وخرافات) مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھتے ہو، وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے، (ابراہیم نے) کہا یقیناً تم بھی صریح گمراہی میں مبتلا رہے اور تمہارے باپ دادا بھی، وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے ہمارے سامنے پیش کررہے ہو یا دل لگی ہی کررہے ہو، ابراہیمؑ نے کہا ارے دل لگی کیسی؟ تمہارا پروردگار تو آسمان اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس پر گواہ ہوں“۔ [سورہ انبیاء]

حضرت ابراہیمؑ کی اس ربانی دعوت نے نمرود کے اقتدار کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس آواز کو دبانے کے لیے ساری ترکیبیں کرڈالیں ؛لیکن حضرت ابراہیمؑ کا یہ پیغام جیسے فضا میں گونجتا رہتا تھا۔

”لوگو! خدا ایک ہے، لوگو! خدا ایک ہے“۔

نمرود کبیدہ خاطر ہے، اس کا غصہ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف بڑھتا جارہا ہے، کوئی نہیں جو اس کے غصہ کو فرو کرنے کی کوشش کرے اور احساس و شعور کے ساتھ معاملہ کی نزاکت اور دعوت کی حقیقت کو سمجھنے پر آمادہ کرے، بالآخر وہ ایک فیصلہ کرتا ہے، ایک بڑے میدان میں آگ کا الاؤ لگایا جائے اور ابراہیمؑ کو اس جرم کی پاداش میں اس میں جھونک دیا جائے، نمرود کے اس فیصلہ سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، انسانیت لرزاں تھی؛ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ نمرود کے اس فیصلہ کو سنا، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نمرود کچھ نہیں کرسکتا، اس کے فیصلہ سے کچھ بھی نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا جب تک حکم نہ ہو آگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، چنانچہ جب نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو کائنات کے پیدا کرنے والے سچے خدا کا حکم آیا اور چشم فلک نے ایسا منظر دیکھا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل ہے۔ ارشاد ہوا:

”قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ وَأَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِيْنَ“ (ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی اور بے گزند ہوجا ابراہیمؑ کے حق میں اور لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان لوگوں کو ناکام کردیا۔

حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش سے سرخرو ہوکر نکلے، نمرود اور تہذیب آذری کے متوالوں کو شکست ہوئی؛ لیکن ابھی یہ پہلی آزمائش تھی، ابھی یہ دکھانا تھا کہ عزیمت کی راہوں کو اختیار کرنے والوں کو قدم قدم پر حق وصداقت کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے، آزمائش کے کرب آگیں لمحات ان کے عزم وارادہ کو تپا کر اور پختہ کردیتے ہیں اور ان کی زبان پر یہ نغمہ جاری ہوتا ہے ؎

رقص کرنا ہے تجھے رقص کیے جا بسمل
رقص کرنا ہے تو پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

وطن عزیز سے ہجرت کرکے شام پہونچے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلاتے رہے، زندگی کچھ پرسکون ہوئی، شام کی سرسبزی وشادابی اور برکات خداوندی سے معمور یہ سرزمین کچھ راس آئی؛ لیکن مشیت الٰہی کچھ اور ہی چاہتی تھی، اشارۂ غیبی پاکر پھر عازم سفر ہوئے اور وادیٔ بطحا کی طرف چل پڑے، آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ اور شیر خوار نومولود حضرت اسمٰعیلؑ تھے، اس بے آب وگیاہ وادی میں پہونچ کر حضرت ہاجرہؓ کو ایک جگہ بٹھا کر آپ واپس چل پڑے، حضرت ہاجرہؓ کے ساتھ

File F:\Front.tif not found.

شیرخوار حضرت اسمٰعیلؑ ہیں، ساتھ میں تھوڑی سی کھجور، مشکیزہ میں چند قطرے پانی کے ہیں، جب حضرت ابراہیمؑ کو جاتے ہوئے دیکھا تو حضرت ہاجرہؓ چیخ اٹھیں آپ کہاں جارہے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ چلے جارہے تھے، بیوی اور بچے کی محبت سے قدم بوجھل ہورہے ہیں، بار بار استفسار پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ میں تم لوگوں کو یہاں چھوڑ کر جاؤں، حضرت ہاجرہؓ نے جب یہ سنا تو ان کا غم کافور ہوگیا، کرب واندوہ والم کی موجیں ساکن ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کی اس بندی نے بڑے پراعتماد لہجے میں فرمایا:

"اِذَنْ لَّا یُضِیعُنَا" (تب تو اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا)۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی، شیرخوار اسمٰعیلؑ کے لئے زمزم کا چشمہ جاری ہوا اور پھر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں اور نعمتیں سمٹ سمٹ کر ہر طرف سے وہاں پہنچے لگیں، آج اسی مقام پر جو کل ہیبت ناک اور تپتا ہوا صحرا تھا، مقدس شہر مکہ واقع ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی جھڑی لگتی ہے۔

ایک عرصہ گذرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ اشارہ ربانی پاکر پھر وہاں تشریف لائے، اب وہاں کچھ آبادی ہوگئی تھی، ننھے اسمٰعیلؑ سروقد نظر آنے لگے تھے، حضرت ابراہیمؑ بوڑھے ہوچکے تھے، بوڑھاپے میں بچھڑی ہوئی اولاد پاکر محبت کی چنگاری شعلہ بن چکی تھی، اندیشہ تھا کہ محبت خداوندی پر غالب نہ آجائے اور اس کے تانے بانے کو جلا کر خاکستر کردے، اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل ابراہیمؑ کے تعلق سے یہ بات کیوں کر پسند ہوسکتی تھی، اس کا اندیشہ کرنا بھی خلیل اللہ کی ذات سے فروتر بات تھی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس موقع پر بھی شدید آزمائش سے گذارا، حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کردینے کا حکم ہوا، حضرت ابراہیمؑ تیار ہوگئے، بیٹے سے تذکرہ کیا، انھوں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے فرمایا:

"یَـٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ" [سورۃ الصافات] (اباجان! آپ کر گذریئے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے، ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے)۔

لیکن اسمٰعیلؑ کے گلے پر چھری چلنے سے پہلے خدا کی قدرت درمیان میں حائل ہوگئی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرانا مقصود نہ تھا، بلکہ اس محبت کو ذبح کرانا تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے دل ودماغ پر چھاگئی تھی اور یہ محبت بیٹے کے گلے پر چھری رکھتے ہی ذبح ہوچکی تھی، قرآن پاک اس کی منظر کشی یوں کرتا ہے:

''جب دونوں نے حکم کو تسلیم کرلیا اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل کو کروٹ کے بل لٹا دیا اور ہم نے انھیں آواز دی کہ ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، بیشک ہم اسی طرح مخلصین کو بدلہ دیتے ہیں، بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان اور ہم نے بڑا مینڈھا اس کے عوض میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رکھ دی کہ ابراہیم پر سلام ہو، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں، وہ ہمارے ایماندار بندوں میں تھے''۔

آج کی قربانی دراصل حضرت اسمٰعیلؑ کی اسی قربانی کا عکس ہے اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے عظیم ایثار وقربانی کی یاد ہر سال تازہ ہوتی رہتی ہے تاکہ نفس انسانی کے اندر عجز کا احساس پیدا کردے اور اسے یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ:

☆ہماری زندگی میں ایمان ویقین اور سپاس وخلوص کا کتنا جذبہ ہے؟

☆ہم نے کسی صلہ کی پروا کیے بغیر راہ حق میں کون کون سی قربانیاں دی ہیں؟

☆اللہ تعالیٰ کے غریب بندوں اور بے سہارا انسانوں کے لیے امداد واعانت کی کون سی سبیل پیدا کی ہے؟

☆دوسروں کے حق اور فرض ہمارے نزدیک کتنے محترم رہے ہیں؟

☆چور بازاری کرنے والے، کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے والے، قاتل، ذخیرہ اندوزی کرنے اور عوام کا خون چوسنے والے دشمن اور اسی طرح دوسری برائیاں پھیلا کر معاشرہ کو گندہ کرنے والے دراصل عہد حاضر کے نمرود ہیں، ان کو مٹانے اور ان شیطانی قوتوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی تعلیمات کو کہاں تک اپنایا ہے؟ اور عصر حاضر کے فتنوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ کہاں تک پایا ہے؟ اس کا جائزہ لینا چاہیے۔

آج کے اس مبارک دن میں ہمیں یہی جائزہ لینا چاہیے، کیونکہ ہمارے اوپر جو فرائض عائد کئے گئے ہیں، ان کی ادائیگی اسی وقت ہوسکتی ہے جب ہم اس مقدس دن کے پیغام کو سمجھیں اور سچے دل سے اس پر عمل کریں تاکہ یہ دن رسم و رواج کی محض ظاہریت کا شکار نہ ہوجائے، بلکہ سچائی، بلند ہمتی، ایمان ویقین، فدائیت وللّٰہیت، ایثار وقربانی، جانکاہی وجاں سپاری کی اس روح کو اجاگر کرے جس پر آج کے دن کی اس عظیم اور بے مثل قربانی کی بنیاد ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

عقیقہ کے شرعی احکام

● ......محمد قمر الزماں ندوی

عقیقہ کی تعریف اور اس کی حقیقت

''عق'' کے معنی کاٹنے کے ہیں، جو جانور نو مولود کی طرف سے ذبح کیا جائے اس کو''عقیقہ'' کہا جاتا ہے، اسی طرح ماں کے پیٹ سے بچّہ کے سر پر جو بال اُگا ہوتا ہے اسے بھی عقیقہ کہتے ہیں، کیونکہ پیدائش کے بعد اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔[قاموس الفقہ : جلد۴]

عقیقہ کی حکمت و مصلحت

زمانۂ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں عقیقہ کا رواج تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اہلِ عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے، کیونکہ عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں، جس کا فائدہ خاندان، غیر خاندان اور خود عقیقہ کرنے والوں کو بھی تھا، منجملہ ان مصلحتوں کے چند یہ ہیں:

۱-عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعتِ نسب ایک ضروری چیز ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت ناپسندیدہ بات نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ بچّہ کا باپ گلی کوچوں میں پکارتا اور اعلان کرتا پھرے کہ اولاد ہوئی ہے، پس اشاعت واطلاع کے لیے یہی طریقہ زیادہ مناسب ہوا۔

۲-عقیقہ کے اندر ایک طرح کی سخاوت کا اظہار اور بخل کی صفت کا انکار پایا جاتا ہے۔

۳-ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ نصاریٰ (عیسائی) میں جب کسی کے یہاں بچّہ پیدا ہوتا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کو''عمودیہ'' کہتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ اس کے سبب وہ بچّہ نصرانی ہو جاتا ہے۔ اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ:''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْـغَةً''، ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا (یعنی دین حق) اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔

تو مناسب ہوا کہ دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نصاریٰ کے مقابل کوئی ایسا امتیاز پایا جائے جس سے اس فرزند (بچّہ) کا حنفی یعنی اسلامی اور ملتِ ابراہیمی واسماعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص تھے اور برابر ان کی اولاد میں چلے آئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کے بدلے میں ذبحِ عظیم (قربانی) کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان یادگاروں میں سے زیادہ مشہور یادگار حج ہے جس کے اندر سر کے بال منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے، پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ہم اور ہماری اولاد ملتِ حنیفی (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین) پر جو کہ اسلام ہے، اس پر قائم ہیں۔

۴-یہ مصلحت بھی معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ شروع پیدائش میں کرنے سے اس بات کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس نے بچّہ کو خدا کی راہ میں دے دیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچّہ کے ساتھ کیا تھا۔ (حضرت اسماعیلؑ کو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا تھا)

اس طرح سے سلسلۂ احسان اور نیاز مندی اور فرمانبرداری کو حرکت دینا بھی معلوم ہوتا ہے۔ [حجۃ اللہ البالغہ: ج/ص ۵۰۸]

عقیقہ اور أسوۂ نبویؐ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیقہ کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر بچّہ عقیقہ کی وجہ سے گروی ہوتا ہے، اس لیے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کے بال کاٹے جائیں۔[سنن دارمی]

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنے کا حکم فرمایا۔ [ترمذی: ج ۱/ص ۲۷۸]

حضرت ام کرزؓ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ بکرے ہوں یا بکری، دونوں سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے، نر اور مادہ کا کوئی فرق نہیں، [ترمذی] تاہم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا عقیقہ ایک بکرے سے کیا ہے۔[ترمذی]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسنؓ وحسینؓ دونوں ہی کا عقیقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مینڈھے سے کیا ہے۔ [ابوداؤد]

عقیقہ کا شرعی حکم

عقیقہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے، جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ آپ اسے محض (صرف) مباح قرار دیتے تھے، لیکن امام

File F:\Front.tif not found.

طحاویؒ سے اس کا مستحب ہونا منقول ہے اور یہی صحیح ہے، اس لیے کہ کثرت سے روایات (احادیث) عقیقہ کے سلسلے میں موجود ہیں، واقعہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کے وجوب کی نفی کی ہے۔

علماء نے فرمایا کہ اگر قدرت (گنجائش) کے باوجود عقیقہ نہ کرے تو شفاعت سے محروم رہے گا۔

عقیقہ کس دن کرے؟

ساتویں دن عقیقہ کرنا، نام رکھنا، بال منڈانا اور بال کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، عقیقہ دن کے وقت کرنا بہتر ہے، اگر بچہ کی پیدائش رات میں ہوئی تو صبح سے ساتویں صبح کو عقیقہ کرے اور اگر دن میں پیدائش ہوئی ہو تو یوم پیدائش کو چھوڑ کر دوسرے دن سے ساتواں دن شمار کرے، عقیقہ کی قربانی طلوع آفتاب کے بعد مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ساتویں ہی دن نام رکھا جائے اور بال بھی منڈوایا جائے۔

اگر ساتویں دن عقیقہ نہیں کر پایا تو چودھویں دن یا اکیسویں دن کرے، یہی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، تاہم اگر ساتویں دن سے پہلے کرلے جب بھی درست ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر مسنون وقت میں عقیقہ نہ کر پایا جب بھی عقیقہ کرنا چاہئے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک اکیسویں دن کے بعد عقیقہ نہیں۔ بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدّت لکھی ہے، اور بہت سے حضرات نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی۔

بچّہ کا عقیقہ کون کرے؟

جس کے ذمہ بچّہ کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب ہے، اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے، باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے، اگر اس میں حیثیت (گنجائش) نہ ہو تو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰/ص۶۱]

مرحوم بچّہ کا عقیقہ

عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے، مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچّے کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے، محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ سے کر دیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس صورت میں عقیقہ کا جانور الگ مستقل ہو، احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔[حوالہ سابق: ص۶۲]

ساتویں دن عقیقہ کی حکمت و مصلحت

عقیقہ ساتویں روز کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پیدائش اور عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب گھر والے زچّہ (ماں) اور بچّہ کی خبر گیری میں شروع میں مشغول رہتے ہیں، ایسے وقت میں مناسب نہیں کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل یعنی کام اور زیادہ بڑھا دیا جائے، نیز لوگوں کو اسی وقت بکری (جانور وغیرہ) دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جاتا تو لوگوں کو دقت ہو جاتی، اس لیے سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور مناسب مدّت ہے۔[حجۃ اللہ البالغۃ: ج۱/ص۵۰۹]

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالبًا اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچّہ (ماں) کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اسی دن بچہ کا سر صاف کرا دینے (بال کٹا دینے) میں طبی اصول پر ضرر (نقصان) کا بھی خطرہ ہے، ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کر ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کرا دینے (بال کٹا دینے) میں نقصان کا کوئی خطرہ نہیں رہتا“۔[معارف الحدیث: ج۶/ص۲۶]

قربانی کے ساتھ عقیقہ کا حصہ

ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کا حصہ ملا کر کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اجر و ثواب کا حاصل کرنا ہے، اس لئے فقہاء نے دونوں کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے۔

بڑے جانور میں عقیقہ

جیسے قربانی میں ایک جانور میں کئی افراد کی شرکت ہو سکتی ہے، اسی طرح عقیقہ میں بھی ایک بڑے جانور میں اشتراک (شرکت) کی گنجائش ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک اس طرح عقیقہ کرنا درست ہے۔[کتاب الفتاویٰ: ج۴/ص۱۷۰]

لڑکا اور لڑکی کے عقیقہ میں فرق اور اس کی وجہ

یوں تو لڑکا کے عقیقہ میں بھی ایک بکرے کا ذبح کر دینا کافی ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ کے عقیقہ میں ایک ایک ہی بکری ذبح کی تھی، لیکن آپؐ نے بہتر طریقہ یہ بتایا کہ لڑکے کے لیے دو حصے ہوں اور لڑکی کے لیے ایک حصہ، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت گزر چکی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اصل میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی مصلحت کو بن سمجھے بے چوں چرا ماننا ہے، ضروری نہیں کہ ہر حکم شرعی کی مصلحت سمجھ میں آ جائے، یا اس کی مصلحت وہی ہو جو ہم سمجھ رہے

File F:\Front.tif not found.

ہیں، لیکن بہرحال کوئی حکم شرعی ایسا نہیں جو عقل و حکمت کے خلاف ہو یا مصلحت سے خالی ہو۔

بظاہر اس کی یہ مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ لڑکا مستقبل میں انسان کے لیے اقتصادی (معاشی) خوش حالی کا باعث بنتا ہے اور شریعت والدین کی کفالت اس سے متعلق کرتی ہے، اس بنا پر اس کی پیدائش اللہ کے دوہرے شکر کا تقاضا کرتی ہے اور بندگانِ خدا کی زیادہ خدمت ہی کے ذریعہ اللہ کا زیادہ شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ [کتاب الفتاویٰ: ج۴/ص۱۷۱]

کیا لڑکے کا عقیقہ میں ایک بکرا کافی ہے؟

اگر حیثیت ہو تو لڑکے کے لیے دو بکری یا دو بھیڑ یا دو دنبے یا قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بھینس میں دو حصے افضل ہیں، ورنہ (گنجائش نہ ہو تو) ایک بکرا یا بڑے جانور میں ایک حصہ بھی کافی ہے، اس سے بھی عقیقہ ہو جاتا ہے، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی، اور اس طرح ان لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو، ایک نظیر بھی قائم ہوگئی۔ [معارف الحدیث: ج۶/ص۴۸]

عقیقہ میں بال کٹوانا اور اس کے ہم وزن صدقہ کرنا

عقیقہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ عقیقہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن ہو، اسی دن بچہ کا بال جو پیدائش کے وقت اس کے سر پر تھا اس کو منڈا دینا افضل ہے، اور یہ بھی مسنون ہے کہ اس کے ہم وزن چاندی صدقہ کردی جائے، جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری قربان کی، اور آپؐ نے (اپنی صاحبزادی) سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا کہ ”اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو“۔ ہم نے وزن کیا تو (بال) درہم برابر یا اس سے کچھ کم تھے۔ [ترمذی]

بالوں کے ہم وزن صدقہ کی حکمت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بچہ کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ اور خیرات کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بچہ کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کا حالت جنبیہ (ناپاکی یعنی منی اور حیض وغیرہ کا گندہ خون) سے منتقل ہو کر بچپن کی طرف آنا، اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے، اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلے کچھ دیا جائے، پیدائشی بال ناپاکی کی نشانی تھا، ان کا دور ہونا نشانات طفلیہ (بچپن) کے استقلال کی نشانی ہے، اس لئے صدقہ کرنا واجب ہوا کہ اس کے بدلہ چاندی (یا نقد رقم) دی جائے، اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں (قیمتی) ہے، سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا ہے، اور چیزیں اس کے علاوہ ایسی نہیں ہیں کہ مولود بچہ کے بالوں کے برابر دے سکیں۔ [حجۃ اللہ البالغہ]

حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاحبزادہ حسینؓ (نواسۂ رسولؐ) کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہؓ کو جو حکم فرمایا تھا، بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسینؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کرسکتے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف (یعنی خرچہ) سے کردی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرمادیا کہ ”بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کردیں“ تاکہ ان کی (والدین کی) طرف سے بھی شکرانہ صدقہ کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔ [معارف الحدیث: ج۶/ص۲۹]

بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا ثبوت

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہوگیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کراکے (منڈوا کے) اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔ [ابوداؤد شریف]

آپؐ نے حکم فرمایا: ”اجعلوا مکان الدم خلوقا“ یعنی بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو، ”خلوق“ ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ [معارف الحدیث: ج۶/ص۲۳]

عقیقہ کی دعا

عقیقہ کے لیے حدیث میں کوئی خاص دعا منقول نہیں، اگر اردو زبان میں بھی کہہ دے یا صرف نیت کرلے، کہ یہ فلاں کے عقیقہ کے طور پر ذبح کیا جارہا ہے، اے اللہ قبول کرلیجیے، تو کافی ہے، البتہ جانور ذبح کرتے وقت "بسم اللّٰہ، اللّٰہ أکبر" کہنا چاہیے، کیونکہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے، بعض اہل علم نے عقیقہ کے مقصد و منشا کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعائیہ کلمات کہنے کو لکھا ہے:

File F:\Front.tif not found.

"اللّٰھم ھذہ عقیقۃ ...... دمھا بدمہ وعظمھا بعظمہ وشعرھا بشعرہ، اللّٰھم اجعلہ فدی لہ، اللّٰھم منك ولك" (اے اللہ! یہ(.........کا) عقیقہ ہے اس جانور کا خون اس کے خون، اس جانور کی ہڈی اس کی ہڈی اور اس جانور کا بال اس کے بال کے بدلہ ہے، اے اللہ! اس جانور کو اس کے لیے فدیہ بنا دیجیے، اے اللہ! آپ ہی کی طرف سے ہے اور آپ ہی کے لیے ہے)۔

اس کے بعد "بسم اللّٰہ ، اللّٰہ أکبر" کہہ کر جانور کو ذبح کر دے، دعا کے یہ الفاظ لڑکے کے اعتبار سے ہیں، اگر لڑکی کا عقیقہ کرنا ہو تو، "بدمھا ، بعظمھا، اور بشعرھا، کہنا چاہیے، دعا کے یہ الفاظ ذبح کرنے کے فوراً بعد بھی کہہ سکتے ہیں۔[کتاب الفتاویٰ: ج۴/ص۱۷۸، ۱۷۹]

عقیقہ کا گوشت

عقیقہ کے گوشت کی دعوت کرنا بھی درست ہے، کچا گوشت بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے، امام مالکؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ گوشت کو تقسیم کر دیا جائے، اور دعوت ان کے نزدیک مکروہ ہے۔

عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے، باقی دو تہائی اقرباء واحباب کی ضیافت میں خرچ کیا جا سکتا ہے، اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں صرف کر دیا جائے تب بھی عقیقہ ہو جائے گا، اگرچہ یہ خلافِ افضل ہے۔

شادی میں عقیقہ کے گوشت کا استعمال

عقیقہ کا گوشت تقریب عقد (شادی بیاہ) میں استعمال کر سکتے ہیں، امیر وغریب، اہل خانہ سب اس میں کھا سکتے ہیں، البتہ جس علاقے میں کھانے کے بعد کچھ لین دین کا رواج ہے، اس میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں گوشت کا عوض حاصل ہونے کا شبہ ہے اور عقیقہ کے گوشت پر عوض حاصل کرنا درست نہیں۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

''دعوت کا گوشت بلا کسی عوض کے مفت کھلانا چاہیے، شادی کی تقریب میں چونکہ کھانا کھلا کر چڑھاوا (ہدیہ تحفہ) لیا جاتا ہے، اس لیے عوض (بدلہ) کا شبہ ہوتا ہے، لہٰذا بچنا چاہیے، ہاں جس دعوت میں چڑھاوا لینے کا دستور نہیں ہے، کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا رواج (دستور) ہو جانے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ استحباب (مستحب) کی رعایت نہ ہوگی۔ مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو، اور تیسرا حصہ غرباء کو دیا جائے''۔[فتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص۱۷۲]

عقیقہ کی دعوت میں تحفہ

عقیقہ کے موقع پر دعوت کرنا مباح ہے، سنت اور واجب نہیں ہے، عقیقہ کی دعوت میں تحفے اور تحائف کی رسمیں غریب اور تنگ دست رشتہ داروں اور مہمانوں کے لیے زحمت ہیں، اور اگر تحفہ نہ دیں تو ندامت وعار (شرمندگی) کا باعث ہوتا ہے، اس لیے حتی المقدور (کوشش بھر) ایسے رسوم اور رواج کو ختم کرنا چاہیے، ویسے چونکہ لوگ اس امر کو دین اور شریعت سمجھ کر نہیں کرتے، اور بذاتِ خود تحفہ کا لین دین جائز ہے، صاحب خانہ کی طرف سے طلب اور دباؤ بھی نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی شخص تحفہ دے دے اور قبول کر لیا جائے تو گنجائش ہے، جو سامان بچہ سے متعلق ہو، وہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی، جو والدین کے استعمال کی ہو، وہ اس کے والدین کی ملکیت سمجھی جائے گی، جو چیز نابالغ (بچہ) کی ملکیت میں آئے اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہیے، کسی کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں، خود ماں باپ بھی اپنے کام میں نہ لائیں، نہ کسی اور بچہ کے کام میں لگائیں۔

بچہ کی تقریب میں جو دیا جاتا ہے اس کا حکم

ختنہ وعقیقہ وغیرہ کسی تقریب میں چھوٹے بچوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے خاص اس بچہ کو دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے اس لیے وہ سب نیوتہ بچہ کی خوشی میں آئی ہوئی چیزیں اور نقد روپیہ بچہ کی ملکیت نہیں بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں، جو چاہیں کریں، اختیار ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص خاص بچہ ہی کو کوئی چیز دے (دینے والے کی نیت بچہ کو ہی دینے کی ہے، والدین سے بدلہ لینے کی نہیں ہے) تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے، اگر بچہ سمجھدار ہے تو خود اس کا قبضہ کر لینا کافی ہے، جب قبضہ کر لیا تو مالک ہو گیا، اگر بچہ قبضہ نہ کرے یا قبضہ کرنے (یعنی لینے) کے لائق اور قابل نہیں ہے تو اگر باپ ہو تو اس کے قبضہ کر لینے سے اور اگر باپ نہ ہو تو دادا کے قبضہ کر لینے سے بچہ مالک ہو جائے گا۔ اگر باپ دادا نہ ہوں تو وہ بچہ جس کی پرورش میں ہے اس کو قبضہ کرنا چاہئے، اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ماں، نانی، دادی وغیرہ اور کسی کا قبضہ کرنا معتبر نہیں (یعنی لینا درست نہیں)۔[مسائل عیدین وقربانی: ص۲۳۶، ۲۳۷]

عقیقہ کے چند متفرق احکام

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ عقیقہ کے ذبیحہ کا پاؤں دایہ کو دیا جائے اور اس روایت کو حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں، عقیقہ کا جانور اسی عمر اور انہیں اوصاف کا حامل ہونا چاہیے جو قربانی کے لیے ضروری ہے، عقیقہ کے جانور کی قیمت صدقہ کرنے کے مقابلہ میں جانور ذبح کرنا افضل ہے، قربانی کی طرح اونٹ گائے اور بھینس میں بھی عقیقہ کے لیے حصہ لیا جا سکتا ہے، البتہ چونکہ احادیث میں بکرے کا ذکر

File F:\Front.tif not found.

ہے،اس لیے بکرا یا دنبہ سے عقیقہ بہتر معلوم ہوتا ہے، عقیقہ کے گوشت سے خود بھی کھا سکتا ہے غریبوں اور دوست واحباب سب کو کھلا سکتا ہے،البتہ اگر چمڑا یا کوئی حصہ فروخت کردے تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔[قاموس الفقہ:ج۴ص۴۱۱]

☆لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں جانور کے مذکر، مؤنث (نر، مادہ) ہونے کا فرق نہیں ہے، لڑکے کے عقیقہ میں بکری اور لڑکی کے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا جاسکتا ہے مگر یہ فرق ہے کہ لڑکے کے عقیقہ کے لیے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کے لیے ایک۔[کفایت المفتی:ج۸/ص۲۴۱]

☆عقیقہ کا گوشت قربانی کے گوشت کی طرح کافر اور مشرک کو دیا جاسکتا ہے،عزیز الفتاویٰ میں ہے"عقیقہ کا گوشت اور قربانی کا گوشت کافر کو دینا درست ہے"۔[ج۱/ص۱۲۷]

☆ جس جانور کی قربانی جائز نہیں، اس جانور کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جس کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔[شامی]

عقیقہ کی رسمیں

عقیقہ کی شریعت میں حقیقت یہ ہے کہ عقیقہ کے روز لڑکے (ساتویں دن) کے لیے دو بکرے یا دو بکری اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا بکری ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کردینا اور بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے (یا اس کی قیمت) خیرات کردینا اور سر منڈانے (بال اتروانے) کے بعد زعفران بچہ کے سر میں لگا دینا بس یہ باتیں تو ثواب کی ہیں، باقی جو غیر شرعی باتیں رواج پا گئی ہیں یا جو فضولیات اس میں داخل اور شامل کرلی گئی ہیں ان سے ہم سب کو بچنا چاہیے اور عوام الناس کو روکنے کی حتی المقدور تدبیر کرنی چاہئے، ذیل میں چند رسوم ورواج کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱-عقیقہ کے روز برادری اور خاندان وکنبے کے لوگ جمع ہوکر سر مونڈانے کے بعد کٹورے میں، بعض جگہ سوپ میں جس میں کچھ اناج (غلہ) رکھا جاتا ہے، کچھ نقد ڈالتے ہیں جو نائی یعنی بال کاٹنے والے کا حق سمجھا جاتا ہے اور یہ اسی گھر والے کے ذمہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ ان دینے والوں کے یہاں کوئی کام (خوشی وتقریب) پڑے جب ادا کیا جائے۔(جس کی خرابیاں بہت سی ہیں)۔

۲-بہن وغیرہ (دھیانیاں) یہاں بھی وہی اپنا حق جو سچ پوچھو نا حق ہی لیتی ہیں، جس میں کافروں کی مشابہت کے سوا اور بھی کئی خرابیاں ہیں مثلاً دینے والے کی نیت کا خراب ہونا، کیونکہ یہ یقینی بات ہے، بعض وقت گنجائش نہیں ہوتی اور دینا گراں گزرتا ہے، مگر صرف نہ دینے میں شرمندگی ہوگی اور لوگ طعنہ دیں گے، مجبور ہوکر دینا پڑتا ہے، اسی کو ریا، نمود اور دکھلاوا کہتے ہیں، اور شہرت و دکھلاوے کے لیے مال خرچ کرنا حرام ہے۔

۳-ان رسموں کی پابندی میں کبھی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ موقوف رکھنا پڑتا ہے اور مستحب کے خلاف کیا جاتا ہے، بلکہ بعض جگہ تو کئی سال بعد عقیقہ ہوتا ہے۔

۴-ایک رسم یہ بھی ہے کہ جس وقت بچے کے سر پر استرا رکھا جائے فوراً اسی وقت بکرا ذبح ہو، یہ بھی محض لغو (غلط بات) ہے، سر مونڈنے کے کچھ دیر بعد ذبح کرے یا ذبح کر کے سر مونڈے، شریعت میں دونوں طرح کی اجازت اور گنجائش ہے۔غرض اس دن دونوں کام ہوجانے چاہئے۔ دونوں کا بالکل ساتھ ساتھ سمجھنا غلط ہے۔

۵-عقیقہ میں ایک رسم یہ بھی چلی آرہی ہے کہ جانور کا سر نائی کو اور ران دائی کو دینا ضروری ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

۶-بعض جگہ یہ دستور ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے کو برا اور غلط سمجھتے ہیں اور دفن کردینے کو ضروری خیال کرتے ہیں، یہ بھی محض بے اصل بات ہے جس کا شریعت سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔[مسائل عیدین:ص۲۳۵،۲۳۶]

☆☆☆☆☆

زائرین حرم کی خدمت میں ایک رہنما کتاب

حج کا آسان طریقہ

(کتاب وسنت کی روشنی میں)

بقلم:-مفتی راشد حسین ندوی

صفحات: 168　　قیمت:120

رابطہ

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی

موبائل نمبر:9919331295

File F:\Front.tif not found.

تعارف وتبصرہ

● ....محمد اصطفاء الحسن ندوی

☆تفسیر آیات خلافت و امامت

بڑے سائز کے ۶۰۰/صفحات پر مشتمل یہ ضخیم تالیف' امام اہلِ سنت والجماعت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نادر علمی و تحقیقی کام ہے، جس میں حضراتِ خلفائے ثلاثہ (ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ) کا پسندیدۂ خدا اوران کی خلافت کا برحق اور خلافتِ موعودہ ہونا قرآن مجید اوراحادیث نبوی کے واضح دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ امامت کے عقیدہ کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ یہ خانہ ساز عقیدہ ہےاورقرآن مجید کے خلاف ہے۔

عرضِ ناشر کے عنوان کے تحت اپنی تعارفی تحریر میں حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب مدظلہ جانشین امام اہل سنت لکھتے ہیں کہ: ''امام اہل سنتؒ نے سو سے زائد کتابیں مختلف دینی اور علمی موضوعات پر تصنیف وتالیف فرمائیں، یہ کتاب ''تفسیر آیات'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کی اصل اور بنیاد حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقاتِ عالیہ ہیں۔ یہ تفسیری مجموعہ ۲۳/رسالوں پر مشتمل ہے، جن کو یکجا طور پر شائع کیا جارہا ہے، ان رسالوں سے امام اہلِ سنتؒ نے خلفائے راشدینؓ کی خلافت کا برحق ہونا اوران حضرات کا مستحق خلافت ہونا ثابت کیا ہے، اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ مخالفین کے اعتراضات کو پیش کیا ہے اوران کا علمی محاسبہ کیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کی ضرورت کا احساس عرصۂ دراز سے دل میں تھا، لیکن اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ جن دنوں اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' ترتیب دے رہے تھے، جس کی تیاری کے سلسلہ میں شیعی کتب کے حوالوں اور امام اہلِ سنتؒ کی تحقیقات سے واقفیت کے لیے اس ناکارہ سے بار بار ملاقاتیں ہوئیں، حضرت موصوف نے بھی تفسیر آیات کی اہمیت اور ضرورت کا احساس دلایا اور بہت زور دیا کہ اس کی اشاعت کی ہمت کرو...... بہرحال اللہ کا نام لے کر شروع کردیا اور اب آپ کے سامنے یہ کتاب پیش کی جارہی ہے۔

یہ دوسرا ایڈیشن ہے، مکتبہ فاروقیہ، دریائی ٹولہ، پاٹانالہ لکھنؤ نے شائع کیا ہے، قیمت ۵۰۰/روپیہ تجویز کی گئی ہے، مکتبہ فاروقیہ کے علاوہ الفرقان بک ڈپو، نظیرآباد، لکھنؤ سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆آسان اصول حدیث

زیرِ نظر کتاب' ڈاکٹر محمود طحان (استاد حدیث، جامعہ کویت) کی تصنیف '' تیسیر مصطلحات الحدیث'' کی اردو شرح اور ترجمانی ہے' جو دارالعلوم، ندوۃ العلماء کے استاذ جناب عبدالمتین ندوی صاحب نے انجام دی ہے۔ اس کتاب میں علم اصولِ حدیث کو اردو داں طبقہ اور طلبۂ مدارس کے لیے سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ''تیسیر مصطلحات الحدیث'' خود جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے آسان فہم کتاب تھی، مترجم نے اپنی تشریح وترجمانی کے ذریعہ اس کو مزید آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔

پیشِ لفظ میں جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر کرتے ہیں کہ:

''یہ کتاب اس لائق تھی کہ اس کو اردو زبان کا پیکر دیا جائے، اور یہ کام وہی کرسکتا تھا جس کو اس فن سے مناسبت ہو، اور جس کو تدریس کا تجربہ ہو۔ اس فقیر کے محبّ عزیز جناب عبدالمتین ندوی، زیدت حسناتہ، استاد دارالعلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ کو اللہ تعالی نے علمی ذوق عطا فرمایا ہے اور وہ علومِ اسلامی کی تدریس سے بھی وابستہ ہیں۔ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ راقم الحروف نے جستہ جستہ مسودہ کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا، اس کا احساس ہے کہ مترجم نے بہتر طور پر مؤلف کے افکار کو پیش کیا ہے، زبان سلیس اور شستہ ہے اور ترجمہ پن کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے لئے مفید ہوگی؛ بلکہ دوسرے اہلِ ذوق اور اصحابِ نظر بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے''۔

دارین بک ڈپو، ندوہ روڈ سے شائع ہوئی ہے، کمپوزنگ عمدہ ہے، کاغذ اور طباعت غنیمت ہیں، صفحات ۲۵۴ اور قیمت درج نہیں ہے۔

رابطہ نمبر: ۹۳۳۵۷۹۰۳۵۳

☆دعا اور تقدیر

محترمہ خیر النساء بہتر صاحبہؒ والدہ ماجدہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس رسالہ کا موضوع اس کے عنوان سے عیاں ہے۔ مصنفہ رحمۃ اللہ علیہا نے ''دُعا'' اور دعا مانگنے کا طریقہ اس میں قلم بند کردیا ہے، یہ ایک ایسا رسالہ ہے جو ہم کو ہر وقت، اچھا ہو یا بُرا، پروردگارِ عالم کی طرف رجوع کرنے میں نصرت کرتا ہے اور ''دُعا'' کی طرف راغب کرتا ہے۔

رسالہ کے شروع میں ناظمِ ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تحریر "عطیہ" کے عنوان سے اورمقدمہ مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ "مجھے اپنی نانی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھنے کو ملا، انہیں اعلی درجہ کا اس کا ذوق حاصل تھا اور ایسی دعائیں کرتی تھیں کہ دوسرے کو محسوس ہوتا تھا کہ ان کا عمل میں آنا بہت مشکل ہے، آسان نہیں؛ لیکن بعد میں ان کے صاحبزادے اور میرے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ دین وملت کے واقعات اور ان کی مقبولیت وشہرت کے واقعات سامنے آئے تو میں نے دیکھا کہ نانی صاحبہ کی دعائیں حرف بحرف پوری ہوئیں"۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اپنے مقدمہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ سے اس کتاب کے سلسلہ میں نقل کرتے ہیں کہ: "اس رسالہ میں انہوں نے دعا کی تاثیر، تقدیر کی کارفرمائی اور اپنے رؤیا صادقہ اور مبشرات لکھے ہیں"۔

یہ رسالہ درمیانی سائز کے ۸۸/صفحات پر مشتمل ،۵۰/روپیہ قیمت کے ساتھ ایچ، ایم، ٹرسٹ، حیدرآباد کی جانب سے مولانا محمود حسن حسنی ندوی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ کیمپس لکھنؤ اور دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ کے لیے: ۷۰۹۵۱۸۶۷۹

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆سیرت سید احمد شہیدؒ (اول) ولادت سے امامت تک

☆سیرت سید احمد شہیدؒ (دوم) جنگ شیدو سے شہادت تک

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے---اورغیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد وتنظیم، اصلاح وتجدید اوراحیائے خلافت کی تاریخ

صفحات: ۱۱۳۶ قیمت: ۶۰۰ روپے

مجـلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل۔ airpnadwa@gmail.com

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اورنومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن ، ندوہ روڈ ، ڈالی گنج ،لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 0991904287 9

File F:\Front.tif not found.

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: شرع اسلامی میں قربانی کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: ہر مقیم، آزاد مرد وعورت جس کے پاس دوسو درہم یا بیس دینار یا ضروری اور استعمالی اشیاء کے سوا ۶۱۲ رگرام چاندی کی مالیت کے بقدر مال موجود ہو تو شرع اسلامی میں قربانی واجب ہے، بصورت دیگر قربانی واجب نہیں بلکہ محض تطوع ونفل ہے۔

[فتاویٰ خانیہ: ج ۳/ص ۲۴۲]

سوال: اسلام میں قربانی واجب ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

جواب: شرع اسلامی میں قربانی کسی شخص پر اسی وقت واجب ہوتی ہے جب وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، مقیم ہو، اور دوسو درہم یا بیس دینار یا گھریلو اور استعمالی چیزوں کے علاوہ ۶۱۲ رگرام چاندی یا اس کے بقدر مالیت کے سامان کا مالک ہو۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۵/ص ۳۳۶]

سوال: اسلام میں قربانی کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: اسلام میں قربانی کا وقت تین دن ہے، ۱۰ رذی الحجہ کے طلوع آفتاب کے بعد سے ۱۲ ر ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک کبھی بھی کی جاسکتی ہے، البتہ اول دن قربانی افضل ہے، اور رات میں قربانی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

[بدائع الصنائع: ج ۴/ ۱۹۸]

سوال: شرع اسلامی میں کن جانوروں کی قربانی جائز ہے؟

جواب: اسلام میں پانچ قسم کے جانوروں کی قربانی جائز ہے، اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ لیکن ان جانوروں کی قربانی اسی وقت درست ہوگی جب یہ مسنہ ہوں، یعنی اونٹ پانچ سال کا ہو، گائے اور بھینس دوسال کے ہوں، بکری اور بھیڑ ایک سال کے ہوں، نیز یہ کہ قربانی کے جانور عیوب فاحشہ یعنی جس کو معاشرہ اور عرف میں عیب شمار کیا جاتا ہے، اس سے پاک ہوں اور صحیح سالم ہوں۔

[بدائع الصنائع: ج ۴/ص ۲۱۵]

سوال: ملک ہندوستان کے موجودہ حالات میں جب کہ فرقہ پرستوں کا بول بالا ہے، اور معاشرہ تشدد وعدم رواداری کی طرف جارہا ہے، ہندواحیائیت کی راہ ہموار کی جارہی ہے، بالخصوص گائے ذبیحہ پر پابندی کے قانون کے علاوہ تشدد پسندوں نے مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالدیا ہے، اس تناظر میں کئی سوالات سامنے آرہے ہیں:

الف: کیا موجودہ صورت حال میں گائے کی قربانی درست ہے؟

ب: اگر بڑے یا چھوٹے جانوروں کی قربانی احتیاطاً نہ کرکے قربانی کی رقوم صدقہ کردی جائیں تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

جواب: حلال گھریلو جانور بالخصوص گائے کی قربانی اسلام میں جائز ہے، قانونی بندش یا ماحول کی خرابی کی وجہ سے قربانی دشوار ہو تو دوسرے جانور کی قربانی کی کوشش کی جائے، لیکن وہ بھی دشوار ہوجائے اور قربانی نہ کی جاسکے اور قربانی کے ایام بھی گزرجائیں تو اس صورت میں قربانی کی جگہ اس کے بقدر رقم صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن بغیر قربانی کی جدوجہد کے ابتداء ہی سے احتیاطاً قربانی نہ کرنا درست نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”ومنها أنه لا يكون غيرها مقامه في الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتهافي الوقت لا يجزئه عن الأضحية“۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۵/ص ۲۹۴، ۲۹۳]

سوال: اگر کوئی شخص مُردوں کی طرف سے قربانی کرے تو اس کا گوشت خود کھاسکتا ہے یا نہیں؟ یا غرباء ہی میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟

جواب: اگر مردہ وصیت کرکے مرا ہو کہ میرے مال سے قربانی کرنا تو ایسے قربانی کے گوشت فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے، خود نہیں کھاسکتے اور نہ مالداروں کو دے سکتے ہیں، ہاں اگر خود محتاج و فقیر ہوں تو کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر مردہ کے مال سے قربانی نہیں کی بلکہ اپنے مال سے کی ہے خواہ مردے کی وصیت کی بنا پر کی ہو تو خود گوشت کھاسکتے ہیں اور اپنی صوابدید سے دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں۔

[ردالمحتار: ج ۲/ص ۳۲۶]

سوال: جس کے پاس وسعت ہو اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے تو کیا صرف اسے ثواب نہیں ملے گا اور قربانی کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی یا گناہ بھی ہوگا؟

جواب: استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر صرف اس کے ثواب اور فضیلت ہی سے محروم نہیں ہوگا بلکہ گناہ بھی ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وسعت کے باوجود جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، (مشکوٰۃ: ج ۱/ص ۱۲۷) مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو عید کی نماز میں شرکت کا حق نہیں، جس میں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

۲۵/اگست ۲۰۱۷ء

File F:\Front.tif not found.

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

نـــدوة العلـمـــــاء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دار العلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

(پروفیسر) اطہر حسین
معتمد مال ندوۃ العلماء

(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.